

کامیاب استاذ کے 100 اعمال و اوصاف







تالیف

مولانا محمد نعمان صاحب

استاذِ حدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

مکتبۃ المتین

کامیاب استاذ کے
100 اعمال واوصاف

تالیف

مولانا محمد نعمان صاحب
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

ناشر
مکتبۃ المتین - کراچی

نامِ کتاب .... کامیاب استاذ کے 100 اعمال واوصاف

مؤلف .... مولانا محمد نعمان صاحب زید مجدہ

ضخامت .... 120 صفحات

تعداد 500

ناشر .... مکتبۃ المتین نزد جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

اوقاتِ رابطہ .... ظہر تا مغرب (0332 255 76 75)

اسٹاکسٹ

ادارۃ المعارف کراچی (احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا- کراچی)
021-35123161,021-35032020,0300-2831960

مولانا محمد ظہور صاحب (جامعہ سراج الاسلام، پارہوتی، مردان)
0334-8414660,0313-1991422

تمام مشہور کتب خانوں سے طلب فرمائیں۔



کامیاب استاذ کے 100 اعمال واوصاف کی اجمالی فہرست



عرضِ مؤلف

راقم الحروف کوالحمدللہ کئی مرتبہ اساتذہ کرام کی مجلس میں گفتگو کرنے کا موقع ملا، بعض مدارس میں کتب کے اساتذہ میں اور بعض جگہ حفظ وناظرہ کے اساتذہ کرام میں، تو موقع محل، مجلس اوروقت کی مناسبت سے ایک کامیاب استاذ کے اوصاف بیان کئے۔ پھر ایک مرتبہ 4 گھنٹے کی طویل نشست میں پروجیکٹر کے ذریعے کامیاب استاذ کے سو(100)اوصاف بیان کئے، اس نشست میں اساتذہ کرام کی ایک کثیر تعداد شامل تھی، جب یہ تفصیلی گفتگو واٹس ایپ پر شیر ہوئی تو بہت سے ساتھیوں نے یہ مشورہ دیا کہ اگر اس کو کتابی شکل دے دی جائے توان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا، خاص طور پر شعبہ تدریس سے نئے نئے وابستہ ہونے والے اساتذہ کرام کے لئے، پھر اس تقریر کو صفحہ قرطاس پر لایا گیا، توراقم نے از سرنو اس کا مطالعہ کر کے حتی الامکان تقریر کو تحریر کا جامہ پہنایا، اور جا بجا تنقیح وتہذیب اور اضافات بھی کئے، اب الحمدللہ یہ کام مکمل ہوگیا، لیکن چونکہ اصلاً یہ تقریر ہے اس لئے اس کا اسلوب وانداز اس کے مطابق ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ رب العزت کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ اگر کسی استاذ محترم میں یہ اوصاف پیدا ہوگئے تو اِن کی شخصیت میں خوب نکھار آئے گا، اوران کی تدریس سے طلباء خوب مستفید ہوں گے، اور اہلِ علم وخواص میں اِن کی نیک نامی اور عزت میں اضافہ ہوگا۔

اللہ رب العزت سے دست بدستہ دعا ہے کہ مولائے کریم اس کاوِش کو قبول فرمائے، اور قارئین کے لئے نافع اور راقم کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

محمد نعمان

استاذ الحدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

یکم ربیع الاول ۱۴۴۳ھ / 8 اکتوبر 2021ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عموماً فراغت کے بعد یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ انسان ایک اچھا مدرس بن کر دین کی خدمت کرے، اور طلباء کو اس استاذ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، اور ان کی تدریس میں نکھار پیدا ہو، تو ایسے کونسے اعمال اور اوصاف ہیں کہ جن کو انسان اختیار کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُسے معاشرے میں عزت عطا فرماتے ہیں، طلباء میں اس استاذ کی مقبولیت ہوتی ہے، عوام وخواص اُس سے استفادہ کرتے ہیں اور اہل علم کے درمیان ان کا ایک بلند مقام ومرتبہ ہوتا ہے، تو ایسے جو اوصاف میرے سامنے آئے میں انہیں جمع کرتا رہا تو یہ سو اعمال و اوصاف ہیں، اگر یہ کسی استاذ کی زندگی میں ہوں گے چاہے وہ استاذ اسکول میں پڑھانے والا ہو، کالج یا یونیورسٹی میں پڑھانے والا ہو، یا کسی مدرسے میں مدرس ہو تو اس کے شاگرد اُس سے خوب مستفید ہوں گے۔

1......اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تدریس سے جوڑا، ورنہ بہت سے لوگ جو ہم سے زیادہ ذہانت والے، فہم وفراست والے، حسین اور جمیل، اونچے خاندان والے، نسب والے موجود ہیں، لیکن انھیں تدریس کی توفیق نہیں ملتی، تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں استاذ بنایا یہ اللہ رب العزت کا فضل اور احسان ہے، تو اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ شکر سے اللہ تعالیٰ نعمت میں اضافہ فرماتے ہیں:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ ❶

ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضرور نعمت میں اضافہ کردوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

❶ ابراھیم: 7

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" ❶

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت تھی معلّم آج اللہ رب العزت نے ہمیں وہ صفت عطا کی ہے، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل کی تو اُس موقع پر نبی آخرالزمان کی بعثت کی دعا فرمائی، اوراس میں بعثت کے چار مقاصد بیان کئے:

(1) ان میں پہلا مقصد تھا:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ﴾

کہ وہ آپ کی آیات پڑھ کرلوگوں کے سامنے تلاوت کرے۔

(2) اور دوسرا مقصد تھا:

﴿وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾

کہ وہ لوگوں کو قرآن سکھائے۔

(3) اور تیسرا مقصد:

﴿وَ الْحِكْمَةَ﴾

لوگوں کو حکمت، عقلمندی، اور فراست کی باتیں سکھائے۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ حکمت سے مراد سنتِ نبوی واحادیثِ مبارکہ ہیں۔

(4) اور چوتھا مقصد:

﴿وَ يُزَكِّيْهِمْ﴾ ❷

اور لوگوں کا تزکیہ کریں۔

تو دیکھیے بعثت کے مقاصد میں جو ایک مقصد ہے وہ کتاب اللہ کی تعلیم ہے، لوگوں کو علم

❶ سنن ابن ماجه: باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم الحديث: 229

❷ البقرة: 129

سکھانا یہ بعثت کا مقصد ہے، اللہ تعالی نے ہمیں تدریس کے ساتھ جوڑا ہے تو ہم اللہ رب العزت کا شکرادا کریں، تو اللہ تعالیٰ نعمت میں اضافہ فرمائیں گے۔

2......اخلاص

زندگی میں اخلاص لے کر آئیں، ایک اچھے مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ رب العزت کی رضا کے لئے پڑھائے کہ اللہ تبارک وتعالی مجھ سے راضی ہو جائیں، کوئی دنیاوی غرض اور مقصد نہ ہو، یہ بات دل میں نہ آئے لوگ کہیں کہ فلاں مدرسے میں استاذ ہیں، حدیث پڑھانے والے ہیں، فقہ کی تعلیم دینے والے ہیں، بلکہ مقصود صرف اللہ رب العزت کی رضا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر واشاعت میں اپنا حصہ ڈال رہا ہوں اور اللہ رب العزت میرے اس حصے کو قبول فرمائے۔ عبادات میں وزن اخلاص سے آتا ہے، اخلاص نہ ہو تو عبادت میں وزن نہیں آتا، اسلافِ امت کی زندگی میں جو وصف ہمیں نمایاں ملتا ہے وہ اخلاص ہے، اسی لئے کسی بھی کام کی بنیاد میں جب اخلاص ہوتا ہے تو یہ اخلاص اس کام کو سہل کر دیتا ہے، خلوص ایک ایسا مقناطیس ہے کہ یہ فلوس کو کھینچ لیتا ہے، فلوس پیسے کو بولتے ہیں۔ تو کسی بھی کام کی بنیاد میں جب اخلاص ہوگا یہ مال اور دولت سب کو اپنی طرف کھینچ لے آئے گا، تو جتنا اخلاص ہوگا اللہ تعالی اتنی ترقی عطا فرمائیں گے۔

حضرت مدنی اور مولانا الیاس رحمہما اللہ کے اخلاص وللّٰہیت کی ایک مثال

ایک مرتبہ کھتولی ضلع مظفر نگر میں تبلیغی جلسہ تھا، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کی ہمرکابی میں وہاں پہنچے۔ اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ داعی حضرات ہاتھی وغیرہ لے کر آئے ہیں، جلوس کی شکل میں لے جانا چاہتے ہیں۔ ہم نے یہ کہہ کر یہ تبلیغی اصول کے خلاف ہے، جلوس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ایک معمولی سواری پر بیٹھ کر قیام گاہ پر پہنچے۔
نظام کے مطابق جلسہ شروع ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ کانگریس کا بھی جلسہ ہو رہا ہے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہ جلسہ اس کی مخالفت میں کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا

الیاس صاحب رحمہ اللہ نے فوراً اپنی تقریر بند کردی اور فرمایا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ سب لوگ چل کر ان کی تقریر سنیں جہاں کانگریس کا جلسہ ہورہا تھا۔

جب اس جگہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ جب حضرت مدنی رحمہ اللہ کو اس کا علم ہوا کہ تبلیغی جلسہ ہورہا ہے اور مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ تقریر فرمارہے ہیں تو اپنی تقریر ختم کردی اور لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرما کر دیوبند روانہ ہوگئے۔

جلسہ نہ یہاں ہوا، نہ وہاں۔ دونوں بزرگ چل بسے مگر آنے والی نسلوں کے لیے اپنے خلوص اور للّٰہیت کی ایک مثال قائم کرگئے۔ ❶

3......تقویٰ

تدریس کے شعبے میں اپنی زندگی میں تقویٰ لے کر آئیں۔ جتنا انسان گناہوں سے بچے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے علم میں اضافہ فرمائیں گے، دین کا جو علم ہے یہ نور ہے اور نور ظلمت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، قرآن کریم کی جو سب سے طویل آیت ہے، جیسے ''آیتِ مداینہ'' کہا جاتا ہے، اس کے آخر میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ ❷

ترجمہ: تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جتنا زندگی میں تقویٰ ہوا تنا اللہ تعالیٰ انسان کو علم عطا فرماتے ہیں، اور تقویٰ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ علم وہبی دیتے ہیں، علم لدنی عطا فرماتے ہیں، یہ علم کسبی نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی طرف سے خصوصی عطا ہوتا ہے۔ ہم اسلاف کی زندگی دیکھتے ہیں کہ اس وقت اتنی کتابیں طبع نہیں تھی، لیکن اُن کے علوم میں بہت وسعت تھی، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی 80 ہجری میں پیدائش ہے اور 150 ہجری میں وفات ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی 150 ہجری میں

---

❶ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ واقعات وکرامات کی روشنی میں: ص 104

❷ البقرة: 282

پیدائش ہے اور 204 ہجری میں وفات ہے۔اب ان حضرات کے دور میں اتنی کتابیں مدون نہیں تھیں جو بعد میں ہوئیں لیکن انہوں نے اجتہاد واستنباطات کیے، یہ محض اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے انہیں عطا تھی، اسلاف کی زندگی میں ہمیں جو چیز علم لدنی اور وہبی کا سبب نظر آتا ہے وہ تقوی ہے، علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ، شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمہ اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان تمام حضرات کے علوم میں ہمیں علوم وہبی کی واضح جھلک نظر آتی ہے، اور ماضی قریب کے علماء میں حضرت مولانا موسی روحانی بازی رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے علم وہبی عطا فرمایا تھا،صرف لفظ "اللہ" کی تشریح پر "فتح الله بخصائص اسم الله" کے نام سے دوجلدوں میں کتاب لکھی۔ایک اشکال کے جواب پر مستقل ایک کتاب لکھی، اشکال یہ تھا کہ مشبہ بہ مقام مشبہ سے افضل ہوتا ہے،تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوگا، اس لئے کہ درودِ ابراہیمی میں آپ پر درود پڑھنے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے،تو انہوں نے " فتح العليم بحل اشكال التشبيه العظيم كما صليت على ابراهيم" میں تقریباً 191 جوابات دیئے۔ جب سے کائنات بنی ہے آج تک کسی نے ایک اعتراض کے اتنے جوابات نہیں دیئے۔"النجم السعد فی مباحث اَمَّا بعد" لفظ "اَمّابعد" کی تشریح میں پوری کتاب لکھی ہے،تو اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وہبی عطا فرمایا تھا،تو میں بات عرض کر رہا تھا تیسری چیز زندگی میں جتنا تقوی ہوگا اللہ تعالی اس قدر علم کی راہیں کھولے گا۔علامہ ابن عبدالہادی حنبلی رحمہ اللہ نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی سوانح پر ایک کتاب لکھی "العقود الدريه من مناقب شيخ الاسلام أحمد بن تيميه "اس میں ہے:

"رُبـمَـا طـالـعت عـلـى الْـآيَةِ الْوَاحِدَةِ نَحْوَ مائَةِ تفْسِيرٍ ثمَّ أسأَل اللّٰهَ الْفَهمَ وَأَقُولُ يَـا مـعـلـم آدم وَإِبْـرَاهِـيـم عَـلِّـمْـنِـيْ وَكنتُ أذْهَبُ إِلَى الْمَسَاجِدِ

المهجورة وَنَحوهَا وأمرغُ وَجْهِي فِي التُّرَابِ وأسألُ اللّٰهَ تعَالَى وَأَقُولُ يَا معلم إِبْرَاهِيم فَهِّمْنِي" [1]

ترجمہ: میں بسا اوقات ایک ایک آیت کے لئے سو سے زائد تفسیروں کا مطالعہ کرتا ہوں، پھر میں اُن آیات کے معانی کے سمجھنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ اے آدم وحضرت ابراہیم علیہما السلام کو علم عطا کرنے والے تو مجھے بھی علم عطا فرما۔ میں ویران مسجدوں کی طرف جاتا ہوں اور اپنا چہرہ مٹی میں رگڑتا ہوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے ابراہیم علیہ السلام کو فہم عطا کرنے والے تو مجھے بھی دین کی سمجھ عطا فرما۔

تو اس تقوی وطہارت، وخشیت وخوفِ خدا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو وہ علم عطا فرمایا کہ آج امت انہیں "شیخ الاسلام" کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

بندے کے ناقص خیال میں ہدایہ کی عظمت ومقبولیت کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے جس کو علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے مقدمہ ہدایہ میں بایں الفاظ تحریر فرمایا ہے:

وهل هذا القبول بما روى أن صاحب الهداية بنى فى تصنيفها ثلث عشرة سنة، كان صائما فى تلك المدة لما يفطر أصلا، وكان يجتهد أن لا يطلع علىٰ صومه أحد فاذا أتى خادمه بطعام يوم كان يقول له خل ورح فاذا راح كان يطعمه أحد الطلبة أو غيرهم فاذا راى الخادم وجد الِانَاء فارغا يظن أنه اكله بنفسه.

ترجمہ: صاحب ہدایہ تیرہ سال کی طویل مدت تک اس کی تالیف میں مشغول تھے اور برابر اس دوران میں روزہ رکھتے تھے، مگر ہمیشہ اس بات کی کوشش فرمایا کرتے تھے کہ ان روزوں کی کسی کو اطلاع نہ ہو، جب خادم کھانا لے کر آتا تو رکھوا دیتے، پھر کسی طالب علم کو کھلا دیتے، جب خادم آتا برتن خالی پاتا تو یہی سمجھتا کہ انہوں نے خود کھایا ہے۔

اللہ اکبر! اتنی طویل مدت "تیرہ سال" اور کام اتنا اہم کہ ایسی عظیم الشان کتاب تالیف کی کہ

[1] العقود الدرية من مناقب شيخ الاسلام أحمد بن تيمية: ص: 24

فقہ حنفی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جبکہ مصنفین کو تصنیف کے وقت ہر قسم کی سہولتیں اور قوت بخش غذاؤں کی فراوانی درکار ہوتی ہے ایسا عظیم وجلیل مجاہدہ فرما رہے ہیں۔

ہم ظاہر بینوں کو تو یہی سمجھ میں آئے گا، مگر اللہ والے ہی جانتے ہیں کہ ان کو ان حالتوں میں کیا لذت ملتی ہے اور کس طرح غیب سے ان پر علوم کا القاء ہوتا ہے۔

یہاں ایک ماہ کا فرض روزہ بس خدا ہی جانتا ہے کہ کس طرح گزرتا ہے کہ ہر وقت افطاری کی تیاری اور شام کا انتظار رہتا ہے، ہمارے دماغ تیرہ سال تک مسلسل روزوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے، تاریخ نے یہ بے مثل کارنامہ بھی ہم کو سنا دیا۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہدایہ جیسی کتاب مذاہب اربعہ میں نہیں لکھی گئی، بلکہ ایک شیعہ فاضل کا مقولہ ہے کہ اسلامی لٹریچر میں بخاری شریف اور ہدایہ کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں۔ نیز فرماتے تھے صاحب ہدایہ کے مرتبہ کو کوئی بڑے سے بڑا فقیہ نہیں پہنچ سکتا، کیوں کہ ان کا علم سینہ کا علم تھا اور دوسروں کا علم کتابوں سے ماخوذ تھا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا۔ کیا آپ ''فتح القدیر'' جیسی کتاب تالیف فرما سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جی ہاں، اور جب پوچھا گیا کہ ہدایہ کی طرح بھی، تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، اگرچہ چند سطر ہی لکھنا پڑے۔

4......صبر وتحمل

ایک اچھے مدرس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زندگی میں صبر وتحمل ہو۔ یعنی کوئی بات ایسی سامنے آجائے جو خلافِ مزاج ہو تو اُسے برداشت کرے۔ اپنے آپ کو غصے سے بچائیں، بسا اوقات کوئی طالب علم ایسا جملہ کہہ دیتا ہے، یا ایسا فعل کر لیتا ہے جس سے وقتی طور پر انسان کو غصہ آتا ہے، تو استاذ محترم کو چاہئے کہ اس وقت اپنے غصے کو قابو کرے اور صبر سے کام لے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت صبر وتحمل تھا، مشہور روایت ہے کہ ایک دیہاتی مسجد میں پیشاب کر

رہا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرما رہے تھے کہ چھوڑ دو اسے اور ایک ڈول پانی بہادو، اور وجہ یہ بیان کی:

"فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ" ❶

ترجمہ: تم آسانی کے لئے بھیجے گئے ہو اور تم تنگی کے لئے نہیں بھیجے گئے ہو۔

اسی لیے اگر طالب علم کی طرف سے کوئی ناگوار بات سامنے آئے تو صبر کرنا چاہیے اور سختی سے پیش نہیں آنا چاہئے، اس سے طالب علم کے دل میں محبت پیدا ہوگی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی تحمل مزاجی اور بردباری

ایک مرتبہ ایک قصاب کی درخواست پر میں جونپور گیا انھیں کے مکان پر مہمان ہوا وہاں میرے پاس ایک خط پہنچا جس میں چار چیزیں میرے متعلق لکھیں تھی۔

اوّل یہ کہ...... تم جاہل ہو۔

دوسرے یہ کہ...... تم جلاھے ہو۔

تیسرے یہ کہ...... تم کافر ہو۔

چوتھے یہ کہ...... وعظ کرنے بیٹھو تو پگڑی سنبھال کر بیٹھنا۔

میں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہ کیا اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو منبر پر بیٹھ کر میں نے لوگوں سے کہا صاحبو! وعظ سے پہلے مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ مجھے خط ملا ہے اس میں چار چیزیں ہیں، پہلے جزو کے متعلق تو مجھے اس لیے کچھ کہنا نہیں ہے کہ یہ صاحب جاہل لکھتے ہیں اور میں خود اپنے اجہل ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزء کے متعلق بھی کچھ کہنا نہیں ہے کیوں کہ اوّل تو جلاہا ہونا کوئی عیب نہیں اور اگر کسی درجہ میں ہو بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے جیسے کوئی اندھا یا کانا ہو تو مآل اس کا بھی یہی ہے کہ یہ

---

❶ صحیح البخاری: کتاب الطھارۃ، باب صب الماء علی البول فی المسجد، رقم الحدیث: 220

کوئی قابل بحث بات نہیں، دوسرے یہ کہ میں یہاں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ میں نسب کی تحقیق کراؤں، تیسرے یہ کہ اگر کسی کا بلاوجہ میرے نسب ہی کی تحقیق کرنا ہو تو میں اپنی زبان سے کیا کہوں میرے وطن کا پتہ اور وہاں کے عمائد کے نام دریافت کر کے ان سے تحقیق کرلیں کہ میں جولاہا ہوں یا کون؟

اسی طرح تیسرے جزء کے متعلق بھی مجھے مشورہ کرنا نہیں ہے کیوں کہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر تھا یا مسلمان، میں اس وقت سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں" أشهد أن لا إله إلا الله محمد رسول الله "اب تو مسلمان ہو گیا اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک مسلمان ہی کہا جاؤ گا۔ البتہ چوتھے جزء کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل بیان نہیں کرتا، بلکہ حتی الامکان ان سے بچتا ہوں، لیکن اگر دوران تقریر میں کہیں آ جاتے ہیں تو پھر رکتا بھی نہیں، البتہ عنوان نرم اور ایسے الفاظ کا اہتمام کرتا ہوں کہ دل آزاری نہ ہو، اب اگر وعظ کہوں گا اسی آزادی کے ساتھ کہوں گا اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو، اس لیے مشورہ طلب یہ امر ہے۔ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ تو ہے نہیں اور مجھے شوق بھی نہیں لوگوں کی درخواست پر کہہ دیتا ہوں، اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ میں چھوڑ دوں۔

پھر فرمایا کہ آپ مشورہ میں مدد کے لیے میں خود اپنی رائے بھی ظاہر کیے دیتا ہوں، وہ یہ ہے کہ وعظ تو ہونے دیا جائے اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں ہوں گے جن کا یہ خط ہے تو وہ جس جگہ کوئی ناگوار بات محسوس کریں تو اسی وقت مجھے روک دیں، میں اسی وقت وعظ بند کر دوں گا، بلکہ یا اگر اس میں ان کو کچھ حجاب مانع ہو تو میں آج بعد ظہر شہر چلا جاؤں گا میرے جانے کے بعد میرے وعظ کی خوب تردید کر دیں یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں، چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور

وعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔ (1)

5......علم کی محبت پیدا کریں

طلباء کے دل میں علم کی محبت پیدا کریں۔ عموماً بعض اساتذہ کرام اُس فن کی محبت طلبہ کے دل میں پیدا نہیں کرتے، بلکہ نفرت ڈال دیتے ہیں، بے زاری پیدا کر دیتے ہیں، اس لیے طلباء پھر شوق سے اُس فن کو حاصل نہیں کرتے، جیسے منطق اور فلسفہ کا فن ہے، جب استاذ کی طرف سے ایسے جملے سننے میں آتے ہیں کہ اس فن کی اہمیت نہیں، اس کی ضرورت نہیں، یہ بے کار اور بے فائدہ علم ہے، تو پھر طالب علم کی دلچسپی نہیں رہتی، اس لئے جس کتاب کو شروع کیا جائے تو استاذ محترم ابتدائی دنوں میں طلبہ کے سامنے اُس فن کی اہمیت بیان کرے، اس فن کے اغراض ومقاصد بیان کرے اور قرآن وسنت کے سمجھنے میں وہ فن کتنا معاون ہے اُسے بیان کرے، تاکہ طلباء اُسے دلچسپی سے حاصل کریں۔

6......تلخ کلامی سے بچیں

اپنے آپ کو تلخ کلامی سے بچائیں، یعنی استاذ کے مزاج میں نرمی ہونی چاہیے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ" (2)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ نرم مزاج ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ عطا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سختی پر عطا نہیں کرتا۔

اس لیے تلخ کلامی سے، ترش لہجے سے اپنے آپ کو بچائیں، کامیاب استاذ وہی ہوتا ہے جس کے مزاج میں نرمی ہوتی ہے۔

7......طلباء امانت ہیں

طلباء امانت ہیں، امانت میں خیانت نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے

(1) مجالس حکیم الامت: ص ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴

(2) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، رقم الحدیث: 2593

پاس پڑھنے کے لیے آئے ہیں، ان کا دل ودماغ اس وقت بالکل خالی ہے، ہم اس برتن میں جو کچھ ڈالیں گے وہ وہی بھر کر یہاں سے لے کر جائیں گے، اگر ہم نے اس برتن میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈالی، دین کی صحیح فہم اور سمجھ ڈالی تو وہ کامیاب ہو جائیں گے اور اگر خدانخواستہ ہم نے اس سے ہٹ کر کوئی بات ان کے دل و دماغ میں ڈالی، یا ایسے نظریات اور افکار ان کے سامنے بیان کیے کہ وہ غلط راستے پر گامزن ہو گئے تو عند اللہ پھر ہماری پکڑ ہوگی کہ ہم نے امانت میں خیانت کی، اس لیے امانت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جو فن پڑھائے تو محنت کے ساتھ پڑھائے، کتاب پر مکمل توجہ دے، مطالعہ کر کے محنت کے ساتھ اس فن کو سمجھائے اور وہی تشریح وتوضیح کرے جو ان کی ضرورت کی ہو، اور ان کی اصلاح اس طرح کرے جیسے انسان اپنی اولاد کی اصلاح کرتا ہے۔

8......انفرادی توجہ دیں

طلبا پر انفرادی توجہ دیں، ہر طالب علم میں اللہ تعالی نے بڑی خداداد صلاحیتیں رکھی ہوتی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا“

ترجمہ: لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کان کی طرح ہے، جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے جب کہ وہ دین کی سمجھ رکھیں۔

لوگوں کی مثال اس طرح ہے جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے، اب سنار جب اُس کو تراشتا ہے تو کبھی اس سے ہار، کبھی انگوٹھی اور کبھی بالیاں بنتی ہیں۔ اسی طرح ہر طالب علم سونا ہے، ہر طالب علم بمنزلہ چاندی کے ہے، اب استاذ اس کو نکھارے گا کہ وہ کس طرح اس میں نکھار پیدا کرے کہ وہ معاشرے کے لیے مفید انسان بن جائے، وہ کس طرح اچھا

❶ صحيح مسلم: كتاب البر والصلة، باب الأرواح جنود مجندة، رقم الحديث: 2638)

مدرس، اچھا مبلغ اور اچھا انسان بن جائے ،تو یہ استاذ کی توجہ اور محنت پر موقوف ہوتا ہے، جس طالب علم میں جو خوبی دیکھیں تو انفرادی اس پر توجہ دیں، کسی میں تاریخ سے مناسبت ہے تو اس فن سے ان کی مناسبت پیدا کریں، کسی میں حدیث سے ہے، کسی میں فقہ سے ہے تو اس کے مطابق ان کی رہنمائی کریں، جب ہر ایک کی رہنمائی اس کے شوق کے مطابق ہوتی ہیں تو وہ جلد پروان چڑھتا ہے اور اس سے معاشرے کو فائدہ زیادہ ہوتا ہے، جس فن سے طالبِ علم کی ذاتی دلچسپی نہ ہو تو مستقبل میں اُس فن کے ساتھ مستقل مشغولیت کا مشورہ نہ دیں۔

9......طلباء شناسی کریں

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طالب علم میں اللہ تعالیٰ نے جو جوہر رکھا ہے اُس کے مطابق اس کی رہنمائی کریں ،بعض طلبہ ایسے ہوتے ہیں جو قرآن کریم بہت خوبصورت پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بہترین آواز عطا کی ہے، تو ان کی رہنمائی اس طرف کی جائے کہ وہ تجوید و مشق کریں، قراءت کا شعبہ اختیار کریں، اس میں آگے بڑھیں۔ بعض اچھے مقرر ہوتے ہیں، اس شعبہ میں رہنمائی کریں تا کہ وہ معاشرے کے لیے بہترین واعظ بن کر سامنے آئیں، بعض میں تدریس کا ملکہ اچھا ہوتا ہے، بعض کی مضمون نویسی قابل دید ہوتی ہے، بعض تحریر و تصنیف سے رغبت رکھتے ہیں، تو جس کے اندر جو شوق استاذ دیکھے اسی طرف ان کی رہنمائی کرے۔ عموماً ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا، ہر ایک پر الگ توجہ نہیں ہوتی یعنی طلبہ شناسی کا فن نہیں ہے، کس طالب علم میں اللہ تعالی نے کیا جوہر رکھا ہے ہم اس کو نہیں پرکھتے، اگر اس کو دیکھا جائے اور استاذ محترم اس کے مطابق رہنمائی کرے تو وہ طالب علم اُس فن میں بہت ترقی کرے گا، بیک وقت انسان تمام علوم میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا، آج کے دور میں ''اختصاص'' ضروری ہے، ایک موضوع و فن کے ساتھ منسلک ہو کر اُس کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو جائیں، پھر اُس فن میں آپ جہاں جائیں گے آپ ہی کا نام ہوگا۔ اگر انسان ساری کشتیوں میں سفر کرنا چاہے تو منزل پر نہیں پہنچتا، ایک کشتی میں سوار

ہوگا تو منزل پر پہنچے گا، تو بہرحال طلبہ میں جو جو ہر نظر آئے اُس کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے۔

10......یکسوئی اپنائیں

ایک کامیاب استاذ وہ ہوتا ہے جس کی زندگی میں یکسوئی ہو۔ یکسوئی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تعلقات کم سے کم ہوں، یعنی استاذ کا تعلق کتاب ومطالعہ کے ساتھ زیادہ ہو، جسے یکسوئی نصیب نہیں ہوتی اس کی تدریس عموماً مفید نہیں ہوتی، اب ایک آدمی اتنا مصروف ہے کبھی ایک ساتھی سے ملاقات، کبھی دوسرے سے ملاقات، کبھی عوامی نشستوں میں، کبھی اجتماعی محفلوں میں، تو اُس کے علم میں عمق نہیں رہتا، جس کے تعلقات زیادہ ہوں، یا اس کے موبائل کا استعمال فیس بک، واٹسپ، انٹرنیٹ کی صورت میں زیادہ ہو، یا عمومی گفتگو، عمومی مجالس اور دعوتوں میں زیادہ جانا ہو تو اُسے یکسوئی نہیں ملے گی، تو یہ مطالعہ نہیں کر پائے گا، اور جب مطالعہ نہیں ہوگا تو اس کی تدریس مفید نہیں ہوگی، طلباء اُس سے زیادہ مستفید نہیں ہوں گے۔ اچھا مدرس وہ ہوگا جسے یکسوئی حاصل ہو تو رات کو خوب مطالعہ کرے گا اور جتنا مطالعہ زیادہ ہوگا اتنی تدریس میں نکھار پیدا ہوگا، اس لئے کامیاب مدرس وہ ہے جس کی زندگی میں یکسوئی ہو۔

11......تعلقات بقدرِ ضرورت ہوں

ایک کامیاب مدرس وہ ہے جس کے تعلقات کم سے کم ہوں، جتنے تعلقات کم ہوں گے اتنا وہ مطالعہ کو وقت زیادہ دے سکے گا، جس کتاب کو اس نے پڑھانا ہے وہ سے اچھے طریقے اسے حل کر سکے گا۔ اب اگر ایک شخص نے دن بھر میں بہت سوں کو وقت دینا ہے، ساتھیوں سے ملنا ہے، متعدد مجالس میں شرکت کرتا ہے، تو اب یہ استاذ ہر ایک کو پانچ پانچ منٹ بھی وقت دے تو کتنا وقت صرف ہو جائے گا؟ اور جب اس کے مطالعہ کا وقت آئے تو وہ تھکا ماندہ ہوگا۔ جب دن بھر میں ملاقاتیں کرتا رہا، دعوتوں میں شرکت کرتا رہا،

جب رات مطالعہ کا ٹائم آئے گا تو غنودگی ہوگی، مطالعہ کے ٹائم میں نیند آنا شروع ہوجائے گی، تو مطالعہ نہیں کر پائے گا، اگلے دن جب بغیر مطالعہ کے تدریس ہوگی تو کتاب حل نہیں ہوگی، یا دائیں بائیں گفتگو کر کے وقت مکمل ہوجائے گا، تو اپنا وقت بھی ضائع ہوا اور طلبہ کا قیمتی وقت بھی ضائع کیا اور وجہ یہ بنی کے تعلقات کی کثرت تھی۔

12......نظامُ الاوقات بنائیں

نظامُ الاوقات بنا کر اس پر عمل کریں۔ ہر بڑے عالم کی زندگی میں اور ہر کامیاب انسان کی زندگی میں جو آپ کو وصف نظر آئے گا وہ نظامُ الاوقات ہے، صبح سے لے کر رات سونے تک مکمل نظام الاوقات ہوتا ہے اور وہ اس کے بڑے پابند ہوتے ہیں کہ ہم نے صبح اس وقت اٹھنا ہے، یہ کام کرنا ہے، پھر ہم نے مطالعہ کرنا ہے، پھر تدریس کرنی ہے، پھر واپسی میں یہ کام کرنا ہے، ظہر میں، عصر میں، مغرب میں، جب پورے چوبیس گھنٹوں کا نظام الاوقات ہوگا تو اللہ تعالی پھر اس انسان سے دین کا بڑا کام لیتا ہے۔ ہمارے ہاں عموماً یہ ہوتا ہے کہ اگر بیٹھے گفتگو میں تو گھنٹوں باتوں میں گذر جاتے ہیں، موبائل پر یوٹیوب، فیس بک، واٹس ایپ، میسج اور پیکج پر گھنٹوں صرف ہوجاتے ہیں، عمومی دعوت میں گئے تو گھنٹوں اس میں ضائع ہوگئے، سونے کے لئے لیٹے تو آٹھ آٹھ، دس دس گھنٹے سونے میں گزر جاتے ہیں، تو نظامُ الاوقات کا نہ ہونے کی وجہ سے ہم کوئی قابلِ رشک کام نہیں کر پاتے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا نظام الاوقات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی زندگی میں نظام الاوقات تھا، حضرت الاستاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ آئے تو حضرت نے ان کا خوب اکرام کیا، پھر اپنے استاذِ محترم سے فرمایا کہ اس وقت میرے لکھنے کا معمول ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ لکھ لوں، حضرت نے اجازت دی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ گئے تھوڑا سا لکھا اور پھر جلدی سے آگئے، حضرت نے فرمایا

بہت جلدی واپس آ گئے، فرمایا کہ اس وقت میرے لکھنے کا معمول تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ اس میں ناغہ نہ ہوتا کہ برکت ختم نہ ہو، چونکہ آپ کی تشریف آوری تھی اس لیے میں جلدی لوٹ آیا تاکہ استفادہ اور خدمت کا موقع مل جائے۔

تو دیکھئے کہ نظام الاوقات کی پابندی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کا بہت بڑا کام لیا ہے اور متعدد موضوعات پر بیسیوں کتابیں تصنیف کیں، جن سے علماء، خواص اور عوام فائدہ لے رہے ہیں اور جنہیں اس صدی کا مجدد بھی کہا گیا، تو اس کے پیچھے بنیاد کیا بنی؟ نظام الاوقات!۔ (1)

13......اپنے مقصد کے ساتھ لگن

اپنے مقصد کے ساتھ لگن ہونی چاہیے۔ تدریس کے شعبہ کے ساتھ ساتھ لگن ہو، یعنی انسان یہ نہ سمجھے کہ میں اپنے وقت کو پاس کر رہا ہوں، وقت گزارنا مقصود نہ ہو، بلکہ تدریس شوق اور لگن کے ساتھ ہو، کثرت کے ساتھ مطالعہ ہو، کتاب کے حواشی، شروحات۔ اور اہلِ علم کے اس کتاب پر افادات کو مطالعہ میں رکھے، سب کو پڑھ کر آئے گا، جب سبق پڑھائے گا تو اس کا فائدہ زیادہ ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ ہر بات س میں بتائے، طلبہ کے سامنے اُن کی استعداد اور ضرورت کے مطابق گفتگو کرے، لیکن اپنے مطالعے کو وسعت دینے کے لیے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرے، اس سے اشکالات ختم ہوں گے اور اپنے مقصد کے ساتھ دلچسپی و لگن پیدا ہوگی۔

14......بلند ہمتی ہو

بلند ہمتی والا مدرس کامیاب ہوتا ہے، جس استاذ کی زندگی میں یہ وصف ہو اور ارادے اس کے پختہ ہوں اور نیک نیتی واخلاص کے ساتھ جدوجہد کرے تو وہ بہت آگے نکل جاتا ہے۔ جب ہمت بلند ہو کہ میں نے یہ کتاب پڑھانی ہے، آئندہ سال یہ کتاب،

---

(1) مآثر حکیم الامت: وقت کی قدر کریں، ص: 86

اس سے اگلے سال یہ کتاب، یہاں تک کہ میں فلاں کتاب پڑھاؤں گا اور ان کی تیاری میں فلاں فلاں شروح وحواشی کا مطالعہ کروں گا، تو اس وجہ سے اس شعبہ میں بہت آگے نکل جائے گا۔ اس کے لیے متقدمین کی کتابیں بھی پڑھیں، متقدمین کی کتابوں میں فن کو سہل کر کے پیش کیا جاتا ہے اور متاخرین کی کتابوں سے فن میں عمق پیدا ہوتا ہے، تو وسیع معلومات کے لیے متاخرین کی کتابیں پڑھیں، ان میں قیل وقال، معلومات اور جامعیت زیادہ ہوتی ہے اور متقدمین کی کتابوں سے فن سمجھ میں آتا ہے۔ پہلے کوشش کریں اس فن کو سمجھنے کی، ابتدائی کتابیں اگر اپنی مادری زبان میں پڑھیں تو جلد سمجھ آتیں ہیں، تو پہلے فن کو مادری زبان میں پڑھ کر سمجھیں، پھر اس کے حواشی اور تعلیقات کا مطالعہ کریں۔ بلند ہمتی ہوگی تو وہ متقدمین اور متاخرین کی کتب کا مطالعہ کرے گا، اور متعدد شروح وحواشی کا مطالعہ کرے گا، ورنہ ایک مختصر شرح یا خلاصہ دیکھ کر اُسی پر اکتفاء کرے گا، جب محنت کے ساتھ تدریس ہوگی تو اس کی افادیت زیادہ ہوگی اور اہل علم میں اور طلبا میں نیک نامی بڑھے گی۔

15......علمی حمیت ہو

علمی حمیت ہونی چاہیے، یعنی علمی ترقی کا جذبہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بات نہیں سمجھ آرہی تو وہ کوشش کرے اس کو سمجھنے کی، کسی فن میں کمی کمزوری رہ گئی ہے تو اس میں محنت کر کے اُسے دور کرے۔ علمی حمیت اور غیرت اسی طرح ہو جیسے اسلافِ امت میں تھی۔

امام کسائی رحمہ اللہ کی علمی حمیت

علامہ دمیری رحمہ اللہ (متوفی 808ھ) نے ''حیاۃ الحیوان'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ امام کسائی رحمہ اللہ (متوفی 189ھ) جب اپنے استاذ کے درس میں آرہے تھے تو بھاگتے ہوئے آئے تا کہ درس چھوٹ نہ جائے، جب درس میں پہنچے تو سانس پھول گیا تھا، انہوں نے ایک جملہ کہہ دیا ''قَدْ عَيَّيْتُ'' کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔ تو ان کو ٹوکا گیا اگر آپ نے یہ بتانا تھا تو ''عَيِيْتُ'' کہتے، یعنی مجرد سے کہدیتے مزید فیہ نہ جاتے، اور پھر ان

سے کہا گیا کہ اس فن کو آپ محنت سے حاصل کریں، تو امام کسائی رحمہ اللہ گئے اور اس فن کو اتنی محنت سے حاصل کیا کہ وہ اس فن کے امام بن گئے، اور پھر وہ فقہ کے مسائل کے جوابات نحو کی روشنی میں دیتے تھے۔ (1)

امام کسائی رحمہ اللہ کا فقہ کے مسائل کے جوابات نحو کی روشنی میں دینا

علامہ سرخسی رحمہ اللہ (متوفی 483ھ) نے "المبسوط" "کتاب الصلاۃ" "باب سجود السهو" کے ذیل میں واقعہ لکھا کہ امام محمد رحمہ اللہ (متوفی 189ھ) نے ایک دفعہ امام کسائی رحمہ اللہ سے پوچھا آپ نے نحو کے علم میں زندگی لگالی فقہ کیوں حاصل کرتے؟ انہوں نے فرمایا میں نے نحو کو اتنی محنت سے حاصل کیا ہے کہ آپ کو فقہ کے جوابات نحو کی روشنی میں دوں گا، تو انہوں نے ایک مسئلہ پوچھا کہ کسی پر سجدہ سہو لازم ہو، پھر اُسی نماز میں دوبارہ پھر سجدہ سہو لازم ہو جائے تو کتنے سجدہ سہو کرے گا؟ تو امام کسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ایک کرے گا، انہوں نے فرمایا کس اصول کی روشنی میں جواب دیا، تو امام کسائی رحمہ اللہ نے جواب دیا "اَلْمُصَغَّرُ لَایُصَغَّرُ" جس چیز کی ایک مرتبہ تصغیر آجائے اس کی دوبارہ تصغیر نہیں آتی، تو اس سے امام محمد رحمہ اللہ بڑے خوش ہوئے اور امام کسائی رحمہ اللہ کی ذہانت وفطانت پر انہیں بڑا رشک آیا۔ اُس موقع پر امام کسائی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"من أحكم علما فذالك يهديه اِلى سائر العلوم"

ترجمہ: جو آدمی ایک علم میں مضبوطی حاصل کرے گا تو وہ علم تمام علوم کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا۔

تو امام کسائی رحمہ اللہ نے نحو میں پختگی حاصل کی اور پھر وہ دیگر فنون اور علوم کے جوابات بھی نحو کی روشنی میں دیتے تھے۔ (2)

---

(1) حياة الحيوان: ج1، ص408

(2) المبسوط: كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ج1، ص224

تو میں بات عرض کرر ہا تھا کہ علمی حمیت ہو، جہاں انسان کو اپنی کمزوری نظر آئے، اُسے دور کرنے کی کوشش کرے اور اُس فن کو محنت کے ساتھ حاصل کرے، مایوس نہیں ہونی چاہیے، آگے بڑھنے کا جذبہ ہونا چاہیے۔

16......علمی ترقی کے لئے مال خرچ کریں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر علم حاصل کرنے کے لئے اس کو کہیں سفر کرنا پڑ رہا ہے، سفر کرنے میں مال لگتا ہے تو اس کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے، یا علمی ترقی کے لئے کتابیں خریدنے کی ضرورت ہے تو اس پر اپنا مال خرچ کرے، اپنے لئے مفید کتابوں کا ذخیرہ جمع کرے، یعنی حصول علم کے جتنے ذرائع اپنا سکتا ہے اور ان میں اگر مال لگتا ہے تو بے دریغ مال خرچ کرے۔ اسلاف کی زندگی میں یہ بات ہمیں ملتی ہے کہ انہوں نے حصولِ علم کے لیے اپنے گھر بار کو ساز وسامان کو بیچا اور وہ نکلے، سارا مال انہوں نے حصولِ علم اور اس کی نشر واشاعت میں لگایا۔ اسی وجہ سے علم کی دنیا میں آج تک اُن کا نام روشن ہے۔ اس لیے علمی ترقی میں بخل نہیں ہونا چاہیے، اگر کسی کتاب، شرح یا حاشیہ کی ضرورت ہو تو اُسے خریدے تا کہ علم میں عمق پیدا ہو۔ جتنا مال خرچ کرے گا اور اہل علم کے افادات و تجربات سے فائدہ لے گا تو اتنا ہی ترقی کرے گا۔ جس فن میں جن کی زندگی گذر جائے اُن کے تجربات بڑے مفید ہوتے ہیں، ایک ہے ہمیں ٹھوکر لگے ہم اپنے تجربہ سے فائدہ لیں اور ایک یہ کہ جس نے زندگی اُس فن میں لگائی ان کے تجربات اور افادات سے فائدہ حاصل کریں، اور حصولِ علم وعمق کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہیں، اور اسلاف کی زندگی کو نمونہ بنائیں کہ انہوں نے کسی قدر مال خرچ کیا، ہم نے تو شاید اُس کا عشر عشیر بھی نہیں خرچ کیا۔

☆☆☆☆☆

نحو میں مہارت کے لئے اسی ہزار درہم خرچ کر دیئے

حضرت خلف بن ہشام رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۹ھ) فرماتے ہیں:

أَشْكَلَ عَلَيَّ بَابٌ مِنَ النَّحْوِ فَأَنْفَقْتُ ثَمَانِيْنَ أَلْفَ دِرْهَمٍ حَتَّى حَذِقْتُهُ. ❶

ترجمہ: مجھ پر نحو کا ایک باب مشکل ہو تو میں نے علم نحو کی حصولی میں اسی ہزار درہم خرچ کیے، یہاں تک کہ میں نحو میں ماہر ہو گیا۔

طلبِ علم اور اشاعتِ علم پر اسی ہزار درہم خرچ کئے

امام محمد بن سلام بن فرج سلمی رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۷ھ) فرماتے ہیں:

أنفقت في طلب العلم أربعين ألفا، وأنفقت في نشرة أربعين ألفا، يقول:إني لأحفظ نحوا من خمسة آلاف. ❷

ترجمہ: میں نے علم کی طلب میں چالیس ہزار درہم خرچ کئے، اور علم کی اشاعت میں بھی چالیس ہزار درہم خرچ کئے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً پانچ ہزار احادیث یاد کیں۔

علمِ حدیث کی طلب میں تین لاکھ درہم خرچ کئے

محمد بن یحیی بن مندہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شہر میں امام ابو جعفر احمد بن مہدی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۲ھ) سے زیادہ معتبر کسی آدمی نے حدیث بیان نہیں کی، آپ بہت مالدار تھے اور اصبہان کے شہر میں ان سے زیادہ کوئی حدیث کا عالم نہیں تھا، بہت سی کتابوں کے مصنف تھے اور صحیح احادیث کے راوی تھے:

أَنْفَقَ عَلَيْهَا نَحْوًا مِّنْ ثَلَاثِمِائَةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ،لَمْ يُعْرَفْ لَهُ فِرَاشٌ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً، صَاحِبُ صَلَاةٍ وَاجْتِهَادٍ. ❸

ترجمہ: آپ نے ان احادیث کی طلب میں تین لاکھ درہم خرچ کئے تھے، چالیس سال سے

❶ سیر أعلام النبلاء:ترجمة: خلف بن هشام بن ثعلب البغدادي، ج ۱۰ ص ۵۷۸

❷ تهذيب الكمال:ترجمة:محمد بن سلام بن الفرج السلمي، ج ۲۵ ص ۳۴۳

❸ أخبار اصبهان للحافظ أبي نعيم الأصبهاني:ترجمة:أحمد بن مهدي بن رُستم، ج ۱ ص ۱۱۷

وہ بستر پر نہیں سوئے تھے، نماز میں اور اجتہاد میں مشغول رہتے تھے۔

تمام میراث حصولِ علم میں خرچ کردی

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے! جان لو کہ میرا والد بہت مالدار تھا، وہ ہزاروں کے حساب سے مال چھوڑ کر گئے تھے، جب میں بالغ ہوا تو لوگوں نے مجھ کو بیس ہزار (۲۰۰۰۰) دینار اور دو گھر دیئے کہ یہ تیرے والد کا ترکہ ہے:

واشتريت بها كتبًا من كتب العلم، وبعت الدارين، وأنفقت ثمنهما في طلب العلم، ولم يبق لي شيء من المال، وما ذل أبوك في طلب العلم قط، ولا خرج يطوف في البلدان كغيره من الوعاظ، ولا بعث رقعة إلى أحد يطلب منه شيئًا قط، وأموره تجري على السداد. ❶

ترجمہ: میں نے بیس ہزار دینار پر علم کی کتابیں خرید لیں اور دونوں گھروں کو فروخت کر کے اس رقم کو طلب علم پر خرچ کردیا، میرے پاس اس مال میں سے کچھ نہیں بچا، تیرا والد کبھی طلب علم میں ذلیل نہیں ہوا اور نہ کبھی واعظوں کی طرح شہروں میں چکر لگانے کے لئے نکلا اور نہ کبھی کسی سے کچھ طلب کرنے کے لئے رقعہ بھیجا، تمام امور صحیح طریقہ سے برابر چل رہے ہیں۔

17......وقت کی پابندی

کامیاب استاذ کا وصف یہ ہے کہ وہ وقت کا پابند ہوتا ہے، یعنی مدرسہ میں جو اس کے لئے گھنٹے طے ہیں تو اُسے چاہیئے وہ اپنے وقتِ مقرر پر آئے، وقت میں تاخیر نہ کرے، اگر گھنٹہ آٹھ بجے ہے تو پانچ منٹ پہلے آنے کی کوشش کریں، تاخیر سے آنے کا معمول ہرگز نہیں ہونا چاہیے، اس سے انسان کی عزت کم ہوجاتی ہے، اور وہ معاوضہ لینا بھی اُس کے لئے مشکوک ہوجاتا ہے۔ عذر ہو تو الگ بات ہے، ورنہ معمول نہیں ہونا چاہیے۔ مدرسہ کے منتظمین اور طلباء کے دل میں بھی وقعت کم ہوجاتی ہے۔ اس لیے وقت کی پابندی ضروری

❶ صید الخاطر: اقتنع تعزّ، ص ۵۰۹

ہے، تاکہ کتاب کو شرح صدر سے پڑھا سکے، ورنہ اگر استاذ محترم تاخیر سے آئے گا تو کچھ وقت حاضری لینے میں، کچھ وقت سبق سننے میں، کچھ وقت اگلے سبق کی عبارت سننے میں، اور پھر پچھلے سبق کے ساتھ اس کا ربط وخلاصہ بیان کر کے جب اگلہ سبق شروع کرے گا تو وقت نہایت مختصر بچے گا، اس لئے کما حقہ وہ سبق نہیں سمجھا سکے گا، کچھ ذہین طلبہ تو سمجھ جائیں گے لیکن کمزور طلباء کا نقصان ہوگا، اب اس کا باعث کیا بنا، تاخیر سے آنا، اس وجہ سے پھر کتاب بھی وقتِ مقرر پر ختم نہیں ہوگی۔

18......دیگر اساتذہ کا وقت نہ لیں

دوسرے اساتذہ کا وقت نہ لیں، اگر ایک استاذ کا وقت شروع ہورہا ہے نو بجے سے پونے دس بجے تک، تو اس کو چاہئے اپنے وقت ہی میں پڑھائے، عموماً ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ دس منٹ استاذ خود تاخیر سے آتا ہے اور پھر دوسرے کے دس منٹ لینا اپنا حق سمجھتا ہے، دوسرا استاذ باہر کھڑا انتظار کررہا ہے اور اب یہ استاذ اپنی کتاب پڑھانے میں مگن ہے، اس سے دوسرے استاذ کے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے، اور جب یہ بات منتظمین تک پہنچتی ہے تو شرمندگی کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے بروقت آنے کا اور اپنے وقت میں سبق مکمل کرنے کا معمول ہونا چاہیے۔ کبھی اگر ضرورت پیش آجائے تو اس استاذ سے خود وقت لے لیا جائے، بلا اجازت معمول نہیں بنانا چاہیے ورنہ کسی دن وہ استاذ تنگ دل ہوکر کوئی بات طلبہ کے سامنے یا اساتذہ کی مجلس میں کہدے گا تو عزت باقی نہیں رہی گی، اس لیے بہتر ہے دوسرے اساتذہ کا وقت نہ لیا جائے۔

19......شب بیداری کی عادت بنائیں

اسلاف کی زندگی میں یہ معمول رہا کہ وہ لوگ شب بیدار تھے، ان کا اللہ رب العزت سے تعلق بڑا مضبوط تھا، تہجد کی نماز کا اہتمام کیا کرتے تھے، اور رات کے وقت کو عبادت ،مطالعہ اور تصنیف میں گذارتے تھے۔ امام محمد رحمہ اللہ (متوفی 189ھ) نے رات کی تین حصے

کئے ہوئے تھے، ایک حصہ آرام کے لئے، ایک حصہ لکھنے کے لئے، ایک حصہ عبادت کے لئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی 256ھ) رات میں پندرہ سے بیس مرتبہ اٹھتے تھے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا رات کو تین حصوں میں تقسیم کرنا

حضرت محمد بن سلمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ نے رات کو تین حصوں پر تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ سونے کے لئے، ایک حصہ نماز کے لئے اور ایک حصہ تدریس کے لئے، اور آپ زیادہ تر جاگتے رہتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں نہیں سوتے؟ فرمایا کہ میں کیسے سو جاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم پر بھروسہ کرتے ہوئے سو گئی ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کوئی مشکل پیش آئے گی تو ہم وہ مسئلہ محمد کے پاس لے جائیں گے اور وہ ہماری اس مشکل کو دور کر دیں گے، اور اگر ہم بھی سو گئے تو دین ضائع ہو جائے گا۔ ❶

امام محمد رحمہ اللہ کی شب بیداری اور مسائل کا استنباط

امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امام محمد رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) کے یہاں رات کو قیام کیا اور صبح تک نماز پڑھتا رہا اور امام محمد رحمہ اللہ رات بھر پہلو پر لیٹے رہے اور صبح بلا تجدید وضو فجر کی نماز ادا کر آئے، مجھے یہ بات کھٹکی تو میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سو گیا تھا، نہیں بلکہ میں نے کتاب اللہ سے تقریباً ایک ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے، پس آپ نے رات بھر اپنے لئے کام کیا ہے اور میں نے پوری امت کے لئے۔ ❷

امام بخاری رحمہ اللہ ایک رات میں پندرہ سے بیس دفعہ بیدار ہوتے

حضرت محمد بن ابی حاتم الوراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کی یہ حالت تھی کہ جب میں آپ کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا اور ہم کسی ایک کمرے

❶ مفتاح السعادة: ترجمة: أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني، ج ٢ ص ٢٢٠

❷ ظفر المحصلین: حالات امام محمد رحمہ اللہ: ص ٧٢)

میں رات گزارتے تھے، گرمی بھی ہوتی تھی:

فَكُنتُ أَرَاهُ يقومُ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ خَمسَ عَشْرَةَ مرَّةً إِلَى عِشْرِيْنَ مرَّةً، فِي كُلِّ ذَلِكَ يَأْخُذُ القَدَّاحَةَ، فيُورِي نَاراً وَيُسْرِجُ، ثُمَّ يُخرِجُ أَحَادِيْثَ، فيُعلِّمُ عَلَيْهَا. (1)

ترجمہ: میں امام بخاری کو دیکھتا تھا کہ آپ ایک رات میں پندرہ سے بیس مرتبہ اٹھتے تھے، ہر دفعہ مٹی کا دیا لیتے اور اس میں آگ جلاتے اور اس کو روشن کرتے پھر احادیث نکال کر ان پر نشانات لگاتے تھے۔

تو اسلاف کی زندگی میں یہ معمول تھا کہ وہ لوگ شب بیدار تھے، تہجد کے پابند تھے اور صبح کے وقت میں اٹھ کر اپنا مطالعہ کر لیتے تھے، اس وقت میں جو چیز مطالعہ کی جائے تو وہ یاد رہتی ہے، ذہن خالی ہوتا ہے اور شور شرابہ نہیں ہوتا، فضا خوشگوار ہوتی ہے اور یہ وقت صحت کے لئے بھی مفید ہوتا، اس وقت جو مطالعہ کیا جائے وہ عموماً محفوظ بھی رہتا ہے۔

20...... ہر نوع کی امہات کتابوں کا مطالعہ کریں

ہر نوع کی امہات کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے ہر فن کے اندر جو بنیادی کتابیں ہیں اُنہیں اپنے مطالعے میں ضرور رکھیں تا کہ جامعیت کے ساتھ اس فن میں عمق پیدا ہو۔ مثلاً ایک آدمی اگر تفسیر پڑھا رہا ہے تو اُسے درج ذیل چار بنیادی تفاسیر کو ضرور مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

نمبر ایک: امام رازی رحمہ اللہ (متوفی 606ھ) کی ''تفسیر کبیر''۔

نمبر دو: علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی 1270ھ) کی ''روح المعانی''۔

نمبر تین: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی 774ھ) کی ''تفسیر ابن کثیر''۔

نمبر چار: امام ابوسعود رحمہ اللہ (متوفی 982ھ) کی ''تفسیر ابوالسعود'' تو یہ امہاتِ تفاسیر ہیں جو

(1) سير أعلام النبلاء: أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، ج ۱۲ ص ۴۰۴

دیگر تفاسیر سے فی الجملہ مستغنی کر دیتی ہیں۔

محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (متوفی 1397ھ) فرماتے ہیں، چوں کہ عمر عزیز کم ہے، آفاتِ زمانہ زیادہ، اور ہمارے دور میں ہمتیں پست اور عزائم کمزور ہوگئے ہیں، اس لئے میں اپنے طالب علم بھائیوں کو چار ایسی تفاسیر کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان پر قناعت کرنا چاہے تو وہ ان شاء اللہ کافی ہوں گی۔

۱......تفسیر ابن کثیر: جس کے بارے میں ہمارے استاذ (امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی 1352ھ) فرماتے تھے کہ اگر کوئی کتاب کسی دوسری کتاب سے بے نیاز کر سکتی ہے تو وہ تفسیر ابن کثیر ہے جو تفسیر ابن جریر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

۲......تفسیر کبیر: جس کے بارے میں ہمارے استاذ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ قرآن کریم کے مشکلات میں مجھے کوئی مشکل ایسی نہیں ملی جس سے امام رازی رحمہ اللہ نے تعرض نہ کیا ہو، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات مشکلات کا حل ایسا پیش نہیں کر سکے جس پر دل مطمئن ہو جائے، اور اس کے بارے میں جو کہا گیا ہے کہ "فِيْهِ كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا التَّفْسِيْر" تو یہ خواہ مخواہ اس کی جلالتِ قدر کو کم کر کے دکھانا ہے، اور شاید یہ کسی ایسے شخص کا قول ہے جس پر روایات کا غلبہ تھا اور قرآن کریم کے لطائف وعلوم کی طرف توجہ نہ تھی۔

۳......روح المعانی: جو میرے نزدیک قرآنِ کریم کی ایسی تفسیر ہے جیسے صحیح بخاری کی شرح "فتح الباری" مگر یہ کہ فتح الباری ایک کلامِ مخلوق کی شرح ہے، اس لئے اس نے شرح بخاری کا جو قرضہ امت پر تھا اسے چکا دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے بلند وبرتر ہے کہ کوئی بشر اس کا حق ادا کر سکے۔

۴......تفسیر ابو السعود: جس میں نظمِ قرآنی کو بہترین عبارت میں بیان کرنے پر خاص توجہ دی گئی ہے اور وہ بسا اوقات زمخشری رحمہ اللہ کی کشاف سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ (1)

علوم القرآن پڑھا رہے ہیں تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ (متوفی 911ھ) کے "الاتقان فی علوم القرآن" سے حدیث کی تشریح وتوضیح کے لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی 852ھ)

(1) يتيمة البيان في شي من علوم القرآن، ص ۴۳، ۴۴

کی "فتح الباری" اور علامہ عینی رحمہ اللہ (متوفی 855ھ) کی "عمدة القاری" اور امام نووی رحمہ اللہ (متوفی 676ھ) کی "شرح صحیح مسلم" مطالعہ میں ہو۔ گر ایک شخص فقہ پڑھا رہا ہے تو فقہ کی امہات کتابوں میں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی 1252ھ) کی "رد المحتار علی الدر المختار" اور علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی 970ھ) کی "البحر الرائق" مطالعہ میں رکھی جائے۔

اصول فقہ پڑھا رہا ہے تو "التقریر والتحبیر" علامہ امیر الحاج رحمہ اللہ (متوفی 879ھ) کی مطالعہ میں ہو، اور "نفائس الأصول فی شرح المحصول" علامہ قرافی مالکی رحمہ اللہ (متوفی 684ھ) کی "اصول الفقہ الاسلامی" دکتور وہبۃ الزحیلی کی۔ تو جب ہر فن کی امہات کتابیں ہوں گی تو اس فن میں مہارت پیدا ہوگی، اس فن میں عمق پیدا ہوگا اور اس فن کی تفصیلی مباحث سے طلبہ زیادہ مستفید ہوں گے اور ان کے لیے علم کی راہیں کھلیں گے۔ یعنی انسان صرف درسی کتب تک محدود نہ رہے، اچھا استاذ وہ ہے کہ وہ صرف کتاب نہیں پڑھاتا بلکہ فن پڑھاتا ہے، ایک ہے کتاب پڑھانا اور ایک ہے اس فن کو پڑھانا۔ تو کتاب حل کرنے کے بعد اگر آخر میں کچھ وقت بچ جائے تو اس فن کی دیگر اصطلاحات اور امثلہ دی جائیں، خارجی مثالیں دے کر ان کی تطبیق کی جائے۔ عموماً ہمارے ہاں نحو، صرف میں، فقہ میں چند ایک مثالیں چلی آ رہی ہیں وہی آخر تک دی جاتی ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ استاذِ محترم مطالعہ کر کے خارجی امثلہ بھی دیتا رہے، اس سے طالب علم کو سبق صحیح معنوں میں سمجھ آئے گا، استاذ کے مطالعہ میں اضافہ ہوگا اور طالبِ علم کی فہم میں اضافہ ہوگا۔

21......حصولِ علم کے لئے سفر کرنا

حصولِ علم کے لیے سفر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر استاذ محترم کو ضرورت پیش آئے کسی بات کے سمجھنے کے لیے یا کوئی سبق یا کوئی مضمون اُسے نہ سمجھ آیا ہو اور اہل علم کے پاس جانے کی ضرورت پیش آئے تو وہ اس کے لیے سفر کر کے جائے، اور ان سے وہ علم حاصل

کرے۔اسلافِ امت میں اس طرح کے بہت سے لوگ گزرے ہیں کہ انہوں نے حصولِ علم کے لیے سفر کیے۔خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی 463ھ) کی کتاب ہے"الرحلة فی طلب الحدیث" اس میں انہوں نے وہ واقعات ذکر کیے ہیں کہ جو محدثین نے علمِ حدیث کی خاطر سفر کیے۔اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ (متوفی 405ھ) کی "معرفة علوم الحدیث" کی "النوع الأول" اس کا عنوان ہے "معرفة عالی الإسناد" سندعلی اور سندنزول کی معرفت کے بارے میں،اس کے تحت انہوں نے ایسے واقعات ذکر کیے اور فرمایا "وفی طلب الاسناد العالی سنة صحیحة" اور اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ (متوفی 1417ھ) کی تین کتابیں ہیں (۱)"قیمة الزمن عندالعلماء" (۲)" العلماء العزاب الذین أثروا العلم علی الزواج" (۳) "صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل" ان تینوں کتابوں میں اس قسم کے واقعات کو ذکر کیا ہے،اور اگر اردو میں پڑھنا چاہیں تو راقم کی کتاب "علمائے سلف کا شوق علم" اس میں بھی ایک باب اس بارے میں ہے کہ حصولِ علم کے لیے کن کن لوگوں نے سفر کیے،تو اگر ذوق ہو تو آدمی اُسے بھی پڑھ لے۔تو بہرحال اگر علم کی خاطر سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو استاذِ محترم کو چاہیے کہ وہ سفر کر کے جائے اور اس علم کی بات کو سیکھے۔

22......اصل مآخذ کو مطالعہ میں رکھیں

ایک اچھے استاذ کا وصف یہ ہے کہ جب وہ تدریس کرے تو مطالعہ کرتے ہوئے اصل مآخذ کا مطالعہ کرے، جب وہ کوئی تحقیق بیان کرے یا کسی مسئلے کی وضاحت کرے تو اصل مآخذ میں مطالعہ کر کے کرے،یعنی کسی کے حوالے پر اعتماد نہ کرے، یہ مطلب نہیں کہ اس پر بدگمانی کرے بلکہ اپنے علم میں وثوق اور عمق کے لیے اصل مآخذ ومراجع کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ہے "آپ فتوی کیسے دیں" حضرت نے اس میں لکھا ہے کہ ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا

سید مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہان پوری رحمہ اللہ (متوفی 1396ھ) سے کسی نے درس کے دوران کہا کہ حضرت ہمیں کوئی نصیحت کریں، تو انہوں نے فرمایا میں ایک نصیحت کرتا ہوں کسی کے حوالے پر اعتماد نہیں کرنا، تو انہوں نے جواب دیا ہے کہ اگر وہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ ہو؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ''ابن جبل'' کا حوالہ ہو تب بھی اعتماد نہیں کرنا۔ تو حضرت پالن پوری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس نصیحت نے جتنا فائدہ دیا ہے میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ تو اس لئے اصل مراجع کی طرف مطالعہ کی عادت بنائی جائے۔ عموماً بہت سی باتیں جو ہم ثانوی مراجع میں دیکھتے ہیں وہ نقل در نقل غلط بھی چلی آتی ہیں، اور پھر وہی باتیں وہی دلائل بیان کیے جاتے ہیں، خاص طور پر فقہاء کے مذاہب اور ادلہ میں تو بہت سی وہ باتیں جو ہمارے ہاں اردو کتابوں میں رائج ہیں، حالانکہ وہ فقہاء کے مذاہب نہیں ہیں نہ وہ ان کے دلائل ہوتے ہیں، اور نہ وہ ان کے ہاں بھی مفتی بہ قول ہوتا ہے، اس لیے ہر فقیہ کا مذہب اور دلیل بیان کرنے کے لیے اُن کے اصل مآخذ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ میں چاروں فقہی مذاہب میں ایک ایک کتاب عرض کر دیتا ہوں اس میں دیکھا جائے تو بہتر ہوگا، شوافع کے مذاہب، دلائل اور مسائل کے لئے امام نووی رحمہ اللہ (متوفی 676ھ) کی ''المجموع شرح المھذب'' اور حنابلہ کے مذاہب، دلائل کے لئے امام ابن قدامہ رحمہ اللہ (متوفی 620ھ) کی ''المغنی'' اور مالکیہ کے مسائل کے لئے ''المدونة الکبری'' اور امام ابن رشد مالکی رحمہ اللہ (متوفی 595ھ) کی ''بدایة المجتھد ونھایة المقتصد'' اور احناف کے لیے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی 1252ھ) کے ''رد المحتار علی الدر المختار'' کا مطالعہ کریں۔ فقہ میں عمق اور فقہی دسترس کے لیے علامہ ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ (متوفی 587ھ) کی ''بدائع الصنائع'' کا مطالعہ کریں۔

23......باوقار رہیں

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ باوقار رہے، اپنے آپ کو ہمیشہ سنجیدہ

رکھے، کلاس میں زیادہ ہنسی مذاق کرنا اور سنجیدگی کو بالکل ختم کر دینا وقار کو باقی نہ رکھنا یہ ایک استاذ محترم کی شایانِ شان نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سنجیدگی پسند ہے، صحیح مسلم کی روایت میں ہے جب وفد عبدالقیس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو جو اُن کے سردار تھے اشج عبدالقیس وہ فوراً نہیں آئے، باقی لوگ دوڑتے ہوئے آئے، سواریوں کو کھلا چھوڑ دیا لیکن انہوں نے تمام سواریوں کو باندھا، غسل کیا، نیا لباس پہنا، بڑے اطمینان سے آئے، اور دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ادا بڑی پسند آئی، تو آپ نے فرمایا:

"إِنَّ فِيکَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ :اَلْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ" ❶

ترجمہ: تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ رب العزت کو بہت پسند ہیں، نمبر ایک بردباری نمبر دو سنجیدگی۔

تو بردباری اور سنجیدگی اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔ اس لیے ایک اچھے استاذ کا وصف ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو باوقار رکھے، ہنسی مذاق، لہو ولعب سے اپنے آپ کو بچائے، ہنسی مذاق سے استاذ کی وہ ہیبت باقی نہیں رہتی، استاذ کا رعب طلباء پر نہیں رہتا اور کلاس کے اندر جو ایک ماحول ادب کا ہے وہ باقی نہیں رہتا، تو استفادے اور افادے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے۔

24......اچھے اخلاق ہوں

ایک کامیاب استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق والا ہو، اخلاق بہت اہم اور وزنی عمل ہے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ" ❷

ترجمہ: انسان کے نامہ اعمال میں جو سب سے وزنی عمل ہوگا قیامت کے دن وہ اس کے

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب الأمر بالایمان باللّٰہ ورسولہ، رقم الحدیث: 18

❷ سنن ترمذی: أبواب البر والصدقة، باب ماجاء فی حسن الخلق، رقم الحدیث: 2002

اچھے اخلاق ہوں گے۔

تو اچھے اخلاق ایک بہت وزنی عمل ہے، اچھے اخلاق کسے کہتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صِلْ مَنْ قَطَعَکَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ" ❶

ترجمہ: جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو، جو تمہیں محروم کرے تم اُسے عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے تم اُسے معاف کرو۔

یہ اچھے اخلاق ہیں۔تو ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق کو بھی اپنی زندگی میں لے کر آئے، کیونکہ طلباء استاذ سے سیکھتے ہیں، شاگرد استاذ کی ہر بات کو کاپی کرتے ہیں، تو اگر استاذ اچھے اخلاق والا ہوگا طالب علموں میں یہی وصف بھی نمایاں طور پر نظر آئے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ" ❷

ترجمہ: میری بعثت اس لیے ہوئی ہے تا کہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے آج تعلیم تو آ جاتی ہے لیکن سنجیدگی اور اخلاق نہیں آتے، تو تعلیم صرف الفاظ کا جاننا نہیں ہے، بلکہ اصل تعلیم اخلاق اور کردار کا اچھا ہونا ہے۔عوام کی نظر ہمارے علم پر نہیں عمل پر ہوتی ہے، اور وہ ہمارے عمل سے ہمارے علم کا اندازہ لگاتے ہیں، اگر ہمارا عمل ہمارے علم کے مطابق ہے تو کہتے ہیں اچھا عالم ہے، اچھا استاذ ہے۔ اور اگر عمل علم کے مطابق نہیں ہوتا تو وہ کہتے ہیں اس نے کچھ نہیں پڑھا۔اس لیے ہمیں اپنے عمل پر زیادہ توجہ دینی چاہیے، اور عمل میں وزنی چیز اچھے اخلاق ہیں کہ جس کے ساتھ واسطہ ہر وقت پڑتا ہے،

❶ شعب الایمان: حسن الخلق، ج10 ص 417، رقم الحدیث: 7723)

❷ السنن الکبری للبیھقی: باب بیان مکارم الأخلاق، ج 10 ص 323، رقم الحدیث: 20782

بقیہ اعمال واوصاف کے ساتھ تو واسطہ کبھی کبھی پڑتا ہے۔ انسان کی چوبیس گھنٹے کی زندگی اور زندگی کا وہ وقت جو بیداری میں گزرتا ہے اس کا حسن اخلاق کے ساتھ بڑا تعلق ہے، اس لیے اپنی زندگی میں اچھے اخلاق کو لے کر آئیں تا کہ آپ سب کے محبوب بن جائیں۔

25......بے جا سختی سے اجتناب کریں

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ بے جا سختی سے اجتناب کرے، بعض اساتذہ بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے طلباء ان سے متنفر ہو جاتے ہیں، اور ان کے دلوں میں استاذ کی وقعت نہیں رہتی اور یہ چیز استفادے میں رکاوٹ بنتی ہے، استاذ کو چاہیے کہ محبت کے ساتھ سمجھائے، جو بچہ استاذ کے کہنے پر جسم کے ساتھ بم باندھ لیتا ہے، وہ استاذ کے کہنے پر ہر عمل کے لیے اور برائی سے بچنے کے لئے بھی تیار رہتا ہے۔ جو بات پیار سے بتائی جاسکتی ہے وہ سختی کے ساتھ بتلانے اور عمل کرانے میں اس میں وہ تاثیر باقی نہیں رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بھی ایک اہم وصف نرمی تھا، اللہ رب العزت جس انسان کو پسند کرتا ہے تو اُسے نرمی کا وصف عطا کرتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنُفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ" [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نرم مزاج ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ دیتا ہے جو سختی پر اور اس کے علاوہ پر نہیں دیتا۔

اس لیے سختی سے اجتناب ہو، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ طالب علم اس گھنٹے میں جسماً حاضر تو ہوگا، لیکن وہ قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر نہیں ہوتا۔ جب استاذ کی دل میں عقیدت اور محبت نہیں ہوتی تو استفادہ نہیں ہوتا، اور پھر فراغت کے بعد بھی وہ استاذ سے تعلق نہیں رکھتا، اور جب وہ اس فن کے اندر ناکام ہو جاتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ استاذ بنتا ہے، بسا اوقات استاذ کی سختی کی وجہ سے طلباء مدارس چھوڑ دیتے ہیں، بچہ اسکول سے چلا جاتا ہے، وجہ کیا بنتی

[1] صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب فضل الفرق، رقم الحدیث: 2593

ہے؟ سختی! اگر وہ اپنے مزاج کو اتنا ان پر غالب نہ کرتے، اتنی سختی نہ رکھتے تو وہ بچہ پڑھ لیتا اور آگے بڑھ کر کتنے لوگوں کے ہدایت کا ذریعہ بن جاتا۔ اس لیے بے جا سختی نہ ہو، بعض اساتذہ کرام اتنی سختی کرتے ہیں کہ ذرا معمولی غلطی ہو جائے تو حلق کروا دیتے ہیں، حلق کرو، مونچھوں پر بھی بلیڈ لگاو، سر پر بھی بلیڈ لگاو، بعض سختی کرتے ہیں کلاس سے نکال کہ سر پر کتابیں رکھوا دیتے ہیں، مرغا بنا کے پورے مدرسے اور سکول میں چکر لگواتے ہیں، بعض چار سو پانچ سو دفعہ اٹھک بیٹھک کراتے ہیں، یہ بے جا سختی ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔ پیار اور محبت سے اگر آپ اس کو تنہائی میں سمجھاؤ گے تو بچہ بہت جلدی سمجھ جائے گا۔ اور اگر استاذ قریب بلا کر کچھ تھوڑا سا ہدیہ دے دے، چائے پلا لے، کچھ انعام دے دے اور محبت سے بتائے کہ بیٹا آپ اتنے دور سے سفر کر کے علم کے لیے آئے ہو اور اپنے وقت کو ضائع نہ کرو، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے دل میں استاذ کے لیے محبت بھی ہوگی اور پھر وہ محنت بھی کرے گا اور ساری زندگی استاذ کا قدردان بھی ہوگا، میں وقت ضائع کرتا تھا نہیں پڑھتا تھا لیکن استاذ نے مجھے بلایا اور بلا کر محبت سے سمجھایا، اس کا اثر اُس کی شخصیت پر باقی رہے گا۔

استاذ کی بے جا سختی کا کتنا نقصان ہوا

ہمارے ساتھی نے واقعہ سنایا کہ ہم درجہ رابعہ میں پڑھتے تھے، ہمارے ایک استاذ تھے جنہوں نے بہت سختی کی، اور سختی اتنی زیادہ کی کہ انہوں نے کہا حلق کرو، مونچھوں پر بھی اور سر پر بھی، ان کے گھنٹے میں عموماً بڑی سختی رہتی تھی، کتاب کے سارے مضامین لکھواتے، پھر اس کو سہ اقسام، شش اقسام، ہفت اقسام، دوازدہ اقسام، صرفی نحوی لحاظ سے بھی صیغے اور مکمل ترکیب بھی لکھواتے، تو اس سختی کا اثر یہ ہوا بعض ساتھیوں نے حلق نہیں کیا، تو انہوں نے کہا میں کلاس میں نہیں بٹھاؤں گا، کلاس میں نہیں بٹھاتے تھے اور دیگر اساتذہ سے بھی کہا کہ ان کو کلاس میں نہ بٹھاؤ، نقصان یہ ہوا کہ اس میں سے کئی طلباء جو آگے نہ پڑھ سکے، انہوں نے مدرسہ چھوڑ دیا، اور اب وہ دنیاوی معاملات میں لگ گئے، بعض کا اخراج کرادیا، اب وہ علم سے جو محروم ہوئے سبب استاذ بنا، اگر استاذ اتنی سختی نہ کرتا تو شاید وہ بھی عالم بن

جاتے اور ان کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوتا۔ بہرحال آپ خود بھی اپنے گردوپیش کے حالات میں دیکھیں، اپنے دوست احباب میں دیکھیں، بہت سے جو علم سے رہ جاتے ہیں وہ استاذ کی بے جاسختی کی وجہ سے۔ اس لیے استاذ محترم کو چاہیے کہ وہ نرم مزاج ہو، نرمی کے ساتھ سمجھائے اور بے جاسختی سے اجتناب کرے۔ وہ اپنے شاگردوں کو اپنی اولاد کا درجہ دے، جس طرح انسان اپنے بیٹوں سے معاملہ کرتا ہے اس طرح اپنے شاگردوں کے ساتھ کرے۔ اگر تھوڑی دیر ہم تصور کریں ہمارے بیٹے سے اگر یہ غلطی ہوجاتی کیا ہم اُسے حلق کرواتے؟ کیا ہم اس کی مونچھوں پر استرا پھرواتے؟ کیا ہم اُسے مرغا بناتے یا پورے مدرسے میں اس طرح ذلت کے ساتھ گھماتے، اور کیا ہم پسند کریں گے ہمارا بیٹا چار پانچ سو دفعہ اٹھک بیٹھک جب کرے، جب یہ ساری چیزیں ہمیں اپنی اولاد کے لئے قبول نہیں ہیں، تو جو ہمارے پاس آئے ہیں وہ بھی کسی کی اولاد اور بیٹے ہیں، انہیں ہر کام کا حکم دیتے وقت یہ تصور کرنا چاہیے جس بات کا میں انہیں پابند کررہا ہوں کیا میں اپنی اولاد کے لیے یہ پسند کرتا ہوں؟ جب استاذ اپنے شاگرد کو بیٹا سمجھتا ہے تو شاگرد بھی اپنے استاذ کو والد کا درجہ دیتا ہے، وہ ان کو والد کی طرح سمجھتا ہے، اور پھر یہ درس وتدریس کی گاڑی آگے بھی چلتی ہے اور زندگی بھر استفادہ اور افادہ بھی عام رہتا ہے۔ تو بہرحال ایک بات میں نے عرض کی بے جاسختی سے اجتناب کیا جائے۔

26......کثرتِ اکل وشرب سے اجتناب کرے

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ کھانے پینے سے اجتناب کرے۔ عموماً جب زیادہ کھاتا ہے تو پھر اُسے پینے کی حاجت ہوتی ہے اور جب زیادہ پیتا ہے تو غنودگی ہوتی ہے، اور پھر وہ مطالعہ نہیں کرپاتا، ہر وقت سستی اور غفلت کی حالت رہتی ہے، تو علم میں ترقی نہیں ہوتی، علم میں عمق پیدا نہیں ہوتا، زیادہ تر وقت جب کھانے پینے میں لگ جائے تو مطالعہ کے لیے وقت نہیں بچتا۔ کھانا پینا ایک ضرورت ہے، اسے ضرورت کے درجے میں رکھا جائے، علماء نے بھوک پر تو کتابیں لکھی ہیں، جیسے امام ابن ابی دنیا رحمہ

اللہ (متوفی 281ھ) کی "الجوع" لیکن آج تک کوئی کتاب زیادہ کھانے پر نہیں لکھی گئی کہ زیادہ کھانے کے اتنے فوائد ہیں، بھوکا رہنا کمال ہے زیادہ کھانا کمال نہیں، ورنہ ہاتھی سب سے زیادہ باکمال ہوتا۔ انسان کا کمال علم کے ساتھ ہے، اس لیے سب سے پہلی وحی جو آئی وہ "اقــــرأ" علم کے بارے میں آئی۔ تو انسان باکمال محنت، لگن، شب بیداری اور خواہشات کے ترک کرنے سے بنتا ہے۔ اس لیے اپنا زیادہ تر وقت مطالعہ میں سرف کریں، اور بے جا دعوتوں میں جانے سے گریز کریں، کثرتِ اکل وشرب سے اپنے آپ کو بچائیں، انسان اتنا کھائے کہ زندہ رہ سکے، جیسے شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اتنا کھاؤ کہ وہ کھانا آپ کو اٹھائے نہ کہ آپ کھانے کو اٹھاؤ۔ کھانا اتنا ہو کہ آپ زندہ رہ سکیں اتنا نہ ہو کہ وہ آپ کے لیے بوجھ اور بیماریوں کا باعث بن جائے، جتنی بیماریاں لگتی ہیں وہ عموماً زیادہ کھانے کی وجہ سے، ہر بیماری کے پیچھے جو آپ سبب دیکھو گے زیادہ کھانا، بیماریاں زیادہ کھانے کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ بیماریاں زیادہ کھانے سے ہوتی ہیں، اور جو اس سے بچتا ہے عموماً وہ صحت مند رہتا ہے۔ بہرحال اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کثرتِ اکل وشرب سے وہ اجتناب کرے۔

27......ماہرین فن سے رابطہ میں رہیں

ماہرین فن سے رابطہ میں رہیں، جو اس فن کے ماہر علماء ہیں، ماہر اساتذہ ہیں ان سے رابطہ میں رہنا چاہیے، مثلاً ایک استاذ انگریزی پڑھا رہا ہے، اردو پڑھا رہا ہے صرف، نحو پڑھا رہا ہے، اس فن کے ماہرین سے رابطہ کرے، اُن سے وقت لے کر ان کی خدمت میں جائے کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لیے ملی ہے، آپ مشورہ دیں میں کون سی شروح، حواشی اور اِس فن کی دیگر کتابیں مطالعہ میں رکھوں؟ اس فن کی جامع کتاب کونسی ہے، آپ میری رہنمائی فرمائیں، مطالعہ کرتے وقت میں کس کس چیز کو سامنے رکھوں، طلباء کے سامنے بات کس انداز سے کروں؟ جس نے اپنی پوری زندگی اس فن پر لگائی ہوتی ہے وہ بہترین مشورے آپ کو دے گا، ایک یہ کہ انسان خود ٹھوکر کھائے، اور پھر سیدھی راہ پر چل پڑے،

ایک یہ کہ جنھوں نے ٹھوکریں کھائیں، زمانے کے تجربات سے گزرے، ان کے تجربات سے فائدہ لیا جائے، تو ہر فن کے اندر اللہ رب العزت نے بعض لوگوں کو بڑا مقام دیا ہوتا ہے، وہ فن کے محقق علماء ہوتے ہیں، اس لیے ان کا وقت ملنا مشکل تو ہوگا لیکن انسان مایوس نہ ہو، کسی طرح بھی ان کا مختصر وقت بھی مل جائے تو ان کی خدمت میں جائیں، ہدیہ پیش کریں اس سے محبت بڑھتی ہے، اور ان کے تجربات سے فائدہ لیں، اس طرح آدمی اس علم میں بہت جلدی ترقی کر لیتا ہے، اور اگر ماہرین فن سے نہیں ہوسکتا تو اپنے اساتذہ میں جو اس فن سے زیادہ مناسبت رکھیں ان سے استفادہ کیا جائے اور ان کی آراء پر عمل کیا جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ زیادہ ہوگا۔

28...... محققین علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں

جو محقق علماء ہیں اور تحقیق کے ساتھ لکھنے والے ہیں ان کی کتابوں کو مطالعہ میں رکھیں، اس وقت کتابیں تو بہت کثرت سے طبع ہو رہی ہیں، ہر دس کتابوں کو سامنے رکھ کر گیارہویں کتاب سامنے آجاتی ہے، لیکن اس کے مطالعہ سے فائدہ نہیں ہوتا۔ جو تحقیقی طور پر لکھنے والے ہوتے ہیں، باحوالہ گفتگو کرتے ہیں اور جن کے مضامین تخلیقی ہوتے ہیں، نئے نئے اچھوتے عنوانات پر قلم اُٹھاتے ہیں، موضوع کا احاطہ کرتے ہیں، جن کی کتابوں میں جامعیت ہوتی ہے ان کا مطالعہ کریں۔ محققین علماء کی کتابوں کا فائدہ کیا ہوگا؟ پہلا فائدہ یہ ہوگا اس فن میں آپ کو مہارت ہو جائے گی، کیونکہ جب وہ محقق ہے اس فن پر انہوں نے لکھا ہے تو اس کے پڑھنے سے اس فن میں مہارت پیدا ہوگی، عموماً محققین کی کتابیں جامع ہوتی ہیں، وہ موضوع کا احاطہ کرتی ہیں، اس طرح موضوع کے متعلق ساری مباحث آپ کے سامنے آئیں گے، تحقیقی ذوق پیدا ہوگا، جب دیکھے گا کہ یہ بھی ہماری طرح انسان ہے، لیکن یہ اتنا تحقیق سے لکھتے اور بولتے ہیں تو آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ انسان کے لئے نمونہ انسان ہے، تو محققین کی کتابیں پڑھنے سے خود تحقیق کا ذوق بیدار ہوگا اور ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان رطب ویابس سے بچ جاتا ہے، اگر وہ محققین کی کتابیں نہیں پڑھے

گا، دائیں بائیں کی کتابیں پڑھے گا تو رطب ویابس ہوگا، وہی چیز وہ بیان کرے گا تو ان کی شاگردوں میں بھی یہ مزاج آئے گا، لیکن جب استاذ کے مزاج میں تحقیق ہوگی تو شاگرد بھی محقق بنیں گے، دیکھئے استاذ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تھے تو شاگرد علامہ سخاوی رحمہ اللہ تھے، استاذ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تھے تو شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تھے، استاذ امام العصر علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ تھے تو شاگرد محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تھے، استاذ فقیہ النفس علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تھے تو شاگرد علامہ یحیی کاندھلوی رحمہ اللہ تھے، بہرحال جب استاذ کے مزاج میں تحقیق ہوگی تو یہ مزاج طلباء میں منتقل ہوگا اور وہ بھی اِسی طرح آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے اور اپنے استاذ کی طرح تحقیقی ذوق لے کر جائیں گے۔

29......بے جا تفریح سے اجتناب کریں

تفریح کی ضرورت کبھی مہینہ، دو ماہ بعد پیش ہو تو آدمی ضرور چلا جائے، لیکن ہر پانچ سے چھ دن کے بعد تفریح کے لئے نکل جانا اور گھنٹوں اپنا وقت ضائع کر دینا، پورا پورا دن اس میں لگا دینا، یہ ایک اچھے استاذ کے حق میں بہتر نہیں ہے، اُس کا اکثر وقت مطالعہ اور تحقیق میں لگنا چاہئے ؛عموماً آج کل دیکھا یہ گیا کہ جہاں بیٹھتے ہیں تو گفتگو چلتی ہے سیر وسیاحت کی کہ کونسی جگہ اچھی ہے، کس جگہ تفریح کے لئے جانا چاہئے ، کس ہوٹل کا کھانا اچھا ہے، کہاں کے ملبوسات اچھے ہیں، کہاں موبائل اچھے ملتے ہیں، یعنی ساری گفتگو ہماری اسی سے متعلق ہے، تفریحی مقامات پر ایسی گفتگو ہوگی اور ہر ایک اپنی پسندیدہ جگہ کے اس قدر اوصاف ودلائل دے گا کہ شاید اس کی زندگی کا مقصد یہی ہے۔علم کی مجلسیں، علم کی گفتگو اور علمی رونقیں کم ہو گئیں۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی 595ھ)''صید الخاطر'' میں لکھتے ہیں کہ میرے جو ساتھی ہوتے تھے وہ تفریح میں گھومتے تھے اور وہ دائیں بائیں گھومتے اور اس میں اپنا وقت لگاتے اور میں نے مطالعہ میں اپنا وقت صرف کیا اور پھر لکھتے ہیں:

"إني طالعتُ عشرين ألف مجلد، كان أكثر، وأنا بعد في الطلب"(1)

ترجمہ: میں نے طالب علمی کے زمانے میں بیس ہزار سے زائد جلدوں کا مطالعہ کیا۔

تو اللہ تعالی نے ان کے علم میں جو اتنی وسعت رکھی وہ کثرت مطالعہ کی وجہ سے تھی، انہوں نے اپنے آپ کو بے جا تفریح سے بچایا۔ جائز تفریح کی شریعت میں اجازت ہے، لیکن بے جا تفریح اور ہر وقت اور ہر ماہ جانا اور اس میں گھنٹوں صرف کر دینا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ اس وقت کو علم اور مطالعہ میں صرف کرنا چاہئے۔

30...... سستی اور کاہلی سے اجتناب کریں

ایک اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جس کی زندگی میں سستی نہیں ہوتی، اگر استاذ سست ہوگا تو اس کا اثر طلباء پر بھی پڑے گا، استاذ پڑھانے کے لیے آیا اب اسے نیند آ رہی ہے، کبھی دائیں طرف گر رہا ہے کبھی بائیں طرف گر رہا ہے، اس کا اثر طلباء پر بھی پڑتا ہے، پڑھانے کے لیے آیا اور اُسے مسلسل جمائیاں آ رہی ہیں، تو اس سے کلاس کا ماحول متاثر ہوگا۔ اس لیے استاذ میں چستی، بیدار مغزی ہونی چاہئے، کاہلی نہ ہو بلکہ وہ اپنی نیند کو اور ضروریات کو مکمل کر کے آئے تاکہ کلاس میں وہ ہشاش بشاش ہو کر اور اپنی طبیعت اور فطرتی صلاحیتوں کو بروے کار لا کر پڑھائے، زندگی کا مقصد یہی ہے۔ تو اس سبق کا ان شاء اللہ تعالیٰ طلباء کو فائدہ ہوگا۔

31...... تصنع اور تکلفات سے بچیں

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تصنع اور تکلفات سے اپنے آپ کو بچائے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ جب یمن کی طرف جا رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ؛ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ"(2)

ترجمہ: عیش وعشرت کی زندگی سے بچو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے (نیک بندے) عیش وعشرت

(1) صيد الخاطر: فصل: هم القدماء من العلماء، ص 454

(2) مسند أحمد: ج36 ص420، رقم الحديث: 22105)

کی زندگی نہیں گزارتے۔

اس لیے استاذ جتنا اپنے آپ کو تکلفات سے بچائے گا اور سادگی میں رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اچھے فوائد اور ثمرات اس کی اپنی زندگی میں اور طلباء میں منتقل ہوں گے۔ لباس میں بھی سادگی ہو، بہت قیمتی لباس، بہت قیمتی گاڑی، قیمتی موبائل اس سے اجتناب کیا جائے، زندگی میں قناعت ہو، قناعت والا انسان کبھی پریشان نہیں ہوتا:

"اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیشَةِ"[1]

ترجمہ: خرچ کرنے میں قناعت سے کام لینا یہ انسان کے لیے آدھی آمدنی ہے۔

تکلف اور تصنع کرنے والا نہ اللہ رب العزت کے ہاں محبوب ہوتا ہے اور نہ عندالناس پسندیدہ ہوتا ہے۔ سادگی کے اندر حسن ہے۔ اللہ رب العزت نے حسن سادگی میں رکھا ہے، تکلفات میں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سادگی میں زندگی گزاری، کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے، لیکن ان کا تعلق عنداللہ مضبوط تھا، تو لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ آج ہم نے لباس اور زیب وزینت پر سارا زور دیا ہے، علم پر توجہ نہیں دی، جو چیز منتقل کرنی تھی طلباء میں اُس کا فقدان ہے، وہ ہے علم میں رسوخ، زندگی میں سادگی وتواضع اور حسنِ اخلاق۔

32......زندگی میں سادگی لیکر آئیں

جتنی سادگی ہوگی اتنا اس میں حسن زیادہ ہوگا، حضراتِ صحابہ کرام اور سلف کی زندگی اس پر ہمارے لیے گواہ ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سادگی کے ساتھ زندگی گزاری، آج وہ بعد والوں کے لئے مقتدا اور پیشوا ہیں۔ اور وہ لوگ قرض سے بھی بچے رہے، تکلفات میں آدمی پڑتا ہے تو اس پر قرض زیادہ ہو جاتا ہے، کیونکہ اپنے تصنع اور خواہشات کو برقرار رکھنے کے لیے حلال آمدنی پر گزارا مشکل ہوتا ہے پھر انسان حرام میں

[1] المعجم الأوسط: ج7 ص25، رقم الحديث: 6744

پڑ جاتا ہے، اگر سادگی میں رہے تو انسان پر عموماً قرض بھی نہیں ہوتا، معاش کے اعتبار سے وہ مجبور بھی نہیں ہوتا، ذہنی اعتبار سے پرسکون رہتا ہے، اور سادگی کی وجہ سے عوام وخواص میں مقبول بھی ہوتا ہے۔

33......اپنے آپ کو اَعلم نہ سمجھیں

اپنے آپ کو کبھی اَعلم نہ سمجھیں کہ میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، یہ بات استاذ کے دل میں نہ آئے کہ میں سب سے زیادہ جانتا ہوں، مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا نہیں۔ مخلوق میں سب سے زیادہ علم ہوتا ہے حضراتِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے پاس، صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت موسی علیہ الصلاۃ والسلام سے جب یہ پوچھا گیا کیا آپ سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے؟ تو موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں، مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، اب یہ بات تو بظاہر ٹھیک تھی، اس لیے کہ کائنات میں نبی سے زیادہ کسی کے پاس علم نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہیں آئی، انہیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ اللہ رب العزت زیادہ جاننے والا ہے، اللہ رب العزت ہی کے پاس سب سے زیادہ علم ہے، تو اللہ تعالی نے فرمایا ہمارا ایک بندہ تم سے زیادہ جانتا ہے، وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، پھر موسی علیہ السلام نے ان کی طرف سفر کیا، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی بھی اگر اپنے متعلق یہ جملہ کہے تو اللہ رب العزت کو پسند نہیں، کائنات میں سب سے زیادہ علم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے پاس ہے، لیکن اللہ تعالی نے حضور کو دعا سکھائی:

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾[2]

ترجمہ: فرمادیجئے کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب العلم، باب ماذكر في ذهاب موسى عليه السلام في البحر إلى الخضر، رقم الحديث: 74

[2] طه: 114

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں اگر علم سے بہتر کوئی چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی کثرت کی دعا کا آپ کو حکم دیتے، لیکن علم سے بہتر چیز دنیا میں کوئی نہیں، تو جب آپ کثرتِ علم کی دعا کر رہے ہیں تو ہمیں بطریق اولی یہ دعا کرنی چاہیے۔ ❶

تو علم ایک سمندر ہے جس کا کنارہ کوئی نہیں، جب انسان اپنے آپ کو سب سے زیادہ عالم سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی جہالت کا دور شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ پھر وہ کسی سے استفادہ نہیں کرتا، مطالعہ نہیں کرتا، وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس سارا علم ہے، حالانکہ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ ❷ اللہ نے ہر ذی علم پر ایک خوب جاننے والے کو رکھا ہے۔

وہ کنویں کا مینڈک ہے، اس نے کبھی سمندر کو نہیں دیکھا۔ تو وہ سمجھتا ہے کہ پانی یہی ہے، کبھی سمندر سے واسطہ پڑے تو اُسے معلوم ہو پانی کی کثرت اور عمق کا۔ ایسے لوگ عموماً کبھی اہل علم کی مجلسوں میں بیٹھے نہیں ہوتے، کبھی اُن سے نجی ملاقاتیں نہیں ہوئیں کہ انہیں معلوم ہو کہ علم ایک سمندر ہے جس کا کنارہ کوئی نہیں، اس سے زیادہ وسیع مطالعہ والے اور عمیق علم والے لوگ موجود ہیں۔ بہر حال کبھی اپنے آپ کو اَعلم نہ سمجھیں، اپنے آپ کو ہمیشہ یہ سمجھے کہ میرا مطالعہ اور علم ناقص ہے، اور جب کمی سمجھے گا تو وہ مطالعہ کرتا رہے گا اور ترقی کی طرف جائے گا۔

34......اسباق کی تقسیم پر تبصرہ نہ کریں

اسباق کی تقسیم پر تبصرہ نہ کریں، یعنی اگر اسکول میں یا مدرسے میں انسان پڑھا رہا ہے اور وہاں مہتمم صاحب یا ناظم تعلیمات کی طرف سے جو اسباق تقسیم ہو جائیں، جو گھنٹہ، جو کتاب پڑھانے کے لیے ملے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے محنت سے پڑھانا شروع کر دیں، اس میں اپنا وقت لگانا کہ فلاں کو یہ کتاب دی ہے مجھے یہ کیوں نہیں دی، وہ تو پڑھا سکتے، میں زیادہ اچھا پڑھاؤں گا، مدرسہ کی انتظامیہ کو متہم کرنا اور بے جا تنقید کرنے سے گریز کریں، اور اپنا قیمتی وقت ان چیزوں میں ضائع نہ کریں، اس سے انسان کی اہمیت گھٹ جاتی ہے، بات کسی نہ

---

❶ تفسیر القرطبی: سورہ آل عمران آیت نمبر 18 کے تحت، ج4 ص41

❷ یوسف: 76

کسی واسطہ سے انتظامیہ تک پہنچ جاتی ہے، پھر ان کے دلوں میں محبت نہیں رہتی، اور طلباء کے دل میں بھی محبت نہیں رہتی، جب ان کے سامنے ایسے تبصرے کیے جائیں تو اس طرزِ عمل سے طلباء کے دل سے انتظامیہ اور اساتذہ کی محبت گھٹا رہے ہیں، حالانکہ طالب علم کے لیے جیسے آپ استاذ ہیں وہ بھی استاذ ہیں، تو استاذ کا کام ہے کہ طالب علم کے دل میں سب استاذوں کی محبت ڈالے، نہ یہ کہ صرف اپنی محبت اور دوسروں کی نفرت۔ اس لیے جو بھی سبق ملے ان اسباق پر تبصرے نہ ہو، بلکہ اس کتاب کو محنت سے پڑھائیں، جو کتاب اس کی قسمت میں آگئی ہے اسی میں حکمت ہوگی۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ہر کام مبنی بر حکمت ہوتا ہے، اگر کوئی کتاب خواہش کے برخلاف ملے تو آپ یہ سمجھ کے کہ میرے اوپر جو مقرر ہیں اُن کا فیصلہ ہے، اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی ہے تو شاید اس میں خیر ہوگی ﴿وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ (1) اب اگر محنت کر کے پڑھائیں گے تو ان کے دلوں میں محبت ہوگی اور اس فن میں آپ کو بصیرت بھی حاصل ہو جاگی۔

35......عمومی دعوتوں اور مجالس سے گریز کریں

اس کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات علاقہ میں شادی ہوتی ہے، کارڈ آگیا، آپ کو دعوت ہے، اور آپ کے ساتھ سینکڑوں لوگوں کو اور بھی دعوت ہے، تو اگر آپ نہ جائیں تو شاید وہ اس کو محسوس نہیں کریں گے، تو ایسی دعوتوں سے گریز کیا جائے، یا ایسی دعوتوں میں جن میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے، جیسے آج کل ہالوں میں عموماً وقت زیادہ ضائع ہوتا ہے، دعوت سے واپسی پر عموماً نصف رات، یا ثلث رات گزر جاتی ہے، اب مطالعہ نہیں ہو پاتا، تو اگلے دن پھر یہ ہوتا ہے کلاس میں سبق بغیر مطالعہ کے پڑھاتے ہیں۔ تو جب خود اپنا دل مطمئن نہیں، شرح صدر نہیں، تو وہ طلباء کو کیسے مطمئن کر سکے گا؟ اس لیے عمومی دعوتوں سے گریز کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی خاص دعوت ہو، مثلاً عزیز واقارب، شاگرد، خاص دوست کی طرف سے ہو تو آپ ان کو اپنا مزاج بتا دیں کہ میں فلاں وقت میں آؤں گا، جیسے پہنچوں گا

(1) (البقرة:216)

کھانا تیار ہو، جو قسمت میں ہے میں کھا کے فوراً نکلوں گا تا کہ میرا وقت ضائع نہ ہو، جب انسان اپنے وقت کا خود خیال نہ کرے تو دوسرے بھی نہیں کرتے، جس کو خود اپنے وقت کا احساس نہ ہو تو دوسروں کو بھی نہیں ہوتا، جس کو اپنے وقت کا احساس ہوتا ہے تو دوسرے اس کے مطابق اپنا نظم بناتے ہیں کہ مولانا صاحب وقت کے بڑے پابند ہیں، ان کے وقت کا خیال رکھنا ہے، تو وہ آپ کے وقت کے مطابق اپنا نظم بنائیں گے۔ ہم دوسروں کے تابع ہو کر نہ چلیں، ہم زمانے کو اپنا تابع کریں کہ جو ہماری دعوت کر رہا ہے وہ ہمارے نظم پر چلے، ہم اس کے نظم اور ترتیب پر کیوں چلیں؟ اس لیے اگر دعوتوں سے گریز ہوگا تو انسان کا بڑا وقت بچ جائے گا، گھنٹہ جانے کا سفر، گھنٹہ آنے کا سفر، گھنٹہ کھانے کا انتظار، اس تین چار گھنٹوں میں کتنا مطالعہ ہوسکتا تھا۔

36......انٹرنیٹ اور فیس بک کے بے جا استعمال سے بچیں

انٹرنیٹ اور فیس بک کے بے جا اور منفی استعمال سے بچنا چاہئے، اس وقت جو جدید آلات ہیں، جیسے موبائل ایک بڑی نعمت بھی ہے کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں، رابطے آسان ہیں، پہلے کتابیں خریدنا گراں ہوتا تھا، اس وقت انٹرنیٹ، فیس بک، واٹس ایپ کی صورت میں تمام چیزیں دستیاب ہیں۔ اہل علم کے بیانات، تقاریر، محاضرات سے انسان استفادہ کر سکتا ہے، لیکن اس کا نقصان بھی بہت ہے۔ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ جو اس میں لگتا ہے تو گھنٹوں وقت ضائع کر دیتا ہے، اس لیے اس کے بے جا اور منفی استعمال سے گریز کرنا چاہئے۔

﴿قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ [1] نفع بھی ہے، اثم بھی ہے، اور عموماً آج کل اس کا اثم نفع سے بڑھ کر ہے، اس لیے سادہ موبائل ہو تو سب سے بہتر ہے، اور اگر ایسا موبائل ہو بھی تو انسان اپنے آپ کو پابند کرے، اور نظام الاوقات بنائے، صرف ایک گھنٹہ استعمال کروں گا، یا میں صرف واٹس ایپ تک اپنے آپ کو محدود رکھوں گا، اور فیس بک، انٹرنیٹ کے بے جا اور منفی استعمال سے گریز کروں گا، تو اس کا

[1] (البقرة:219)

بہت سا قیمتی وقت ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ ہو جائے گا۔ آج کے دور میں وقت کے ضیاع کا سب سے بڑا آلہ موبائل ہے، روحانیت جو تباہ ہو رہی ہے موبائل کی وجہ سے، جب آنکھیں غلط دیکھتی ہیں تو بدنظری کی وجہ سے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ آج علم میں نسیان گناہوں کی وجہ سے ہے، علم تو نور ہے اور یہ نور ظلمت اور گناہوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

37......لایعنی گفتگو سے گریز کریں

اچھے استاذ کا وصف ہے لایعنی گفتگو سے اپنے آپ کو بچائے، یعنی ایسی گفتگو کرے جس میں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے جو اوصاف بیان کیے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾❶

ترجمہ: ایمان والے لغو چیز سے اعراض کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ"❷

ترجمہ: انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے ان چیزوں کو چھوڑ دے جس میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اس لیے اچھا استاذ وہ ہوگا جو ہر کام کرنے سے پہلے سوچے، اس میں میرا کیا فائدہ ہے؟ میں جو فلاں کے پاس جا رہا ہوں، میرا گھنٹہ صرف ہوگا، اس میں مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں اس کتاب کو پڑھ رہا ہوں مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں موبائل میں جو وقت لگا رہا ہوں مجھے کیا نفع ہو رہا ہے؟ یہ جو اخبار بینی میں کر رہا ہوں اس میں مجھے کتنا فائدہ ہے؟ اور میرا وقت ریڈیو سننے میں، ٹیلی ویژن کے سامنے، انٹرنیٹ، کیبل میں کتنا وقت صرف ہو رہا ہے، اس میں میرا کتنا نفع اور کتنا نقصان ہے۔ یعنی عقل مند ہر کام سے پہلے سوچتا ہے، اور بے وقوف کام

---

❶ المؤمنون: 3

❷ سنن الترمذی: أبواب الزهد، باب فیمن تکلم بکلمة یضحک بها الناس، باب، رقم الحدیث: 2317

کرنے کے بعد۔ عقل مند پہلے سوچتا ہے اگر نفع نہیں ہے فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ سب سے قیمتی چیز پیسہ نہیں، بلکہ وقت ہے، کیونکہ پیسہ دوبارہ مل جاتا ہے، گذرا ہوا وقت دوبارہ نہیں ملتا، وقت کی مثال تلوار کی سے ہے:

"الوقت کالسیف ان لم تقطعه فقطعک"

ترجمہ: وقت تو تلوار کی مانند ہے، اگر آپ نے اس کو نہیں کاٹا تو کل یہ آپ کو کاٹ دے گا۔ وقت کی قدر کریں، آنے والے زمانے کے لوگ آپ کی قدر کریں گے۔ ہم یہ گلہ کرتے لوگ ہماری قدر نہیں کرتے، اگر ہم وقت کی قدر کرتے اور اچھے عالم بنتے، تو زمانہ آج بھی ہماری قدر کرتا۔ ہم نے وقت کی قدر نہیں کی، اس لیے زمانہ آج ہماری بھی قدر نہیں کرتا۔

38......شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں

اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں، یعنی اگر کوئی شاگرد اچھے نمبرات لے لیتا ہے، سبق اچھا سنا لیتا ہے، تو شاگرد کی تعریف کرنا اور اس کے لیے دعائیہ کلمات کہنے چاہئے، اور مزید شوق اور دلچسپی بڑھانے کے لئے اگر ممکن ہو تو اُسے انعام بھی دینا چاہیے، اب استاذ اگر پانچ دس روپے بھی دے تو طالب علم اس کو اپنے لیے بہت بڑی چیز سمجھتا ہے کہ میرے استاذ نے مجھے دس روپے انعام دیے تھے، مجھے چائے پلائی تھی، فلاں وقت میں میرے بارے میں یہ دو جملے کہے تھے، تو اِسے اپنی زندگی کی بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہے۔ پانچ دس روپے کی استاذ کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں، لیکن طالب علم کے لیے یہ ایک بڑی نعمت ہے۔ اس لیے حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، دل شکنی نہیں کرنی چاہیے، ہمارے یہاں کا جو ماحول ہے وہ دل شکنی کا ہے، طالبِ علم اگر سبق میں تھوڑی سی غلطی کردے، اس کو اتنا سنایا جاتا ہے، اتنا بے عزت و ذلیل اور رسوا کیا جاتا ہے کہ اس کا دل دوبارہ کلاس میں آنے کو نہیں کرتا۔ تمام طلباء کے سامنے اس کی عزتِ نفس مجروح کی جاتی ہے۔ کوئی طالب علم اچھا کام کرے تو حوصلہ افزائی کریں، اور اگر کمی کمزوری ہوگئی تو تنہائی میں سمجھائیں۔ ہمارے ہاں اعتدال نہیں ہے، کوئی کوتاہی کرتا ہے تو اس کو جب سمجھاتے ہیں تب بھی حدود سے نکل جاتے ہیں، اور کوئی اچھا

سبق سنائے، اچھا کام کرے، تو حوصلہ افزائی بھی نہیں کرتے۔ اور جب تنقید کرتے ہیں تو حدود سے نکل جاتے ہیں، تو اس لیے اعتدال کا وصف ہونا چاہیے، اچھے وصف پر اس کی تعریف کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی آپ دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں کوئی بات دیکھتے تو آپ تعریف فرماتے، آپ فرمارہے ہیں کہ ابوبکر میں رحم ہے، عمر کفر کے مقابلے میں سخت ہے، عثمان میں حیاء ہے، معاذ بن جبل حلال اور حرام کو جاننے والے ہے، زید بن ثابت فرائض ومیراث کے مسائل سے واقف ہیں، ابی بن کعب بڑے قاری ہیں، اور ہر اُمت میں ایک امین ہوتا ہے اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے:

"أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللَّهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالحَلَالِ وَالحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ"[1]

آپ نے صحابہ کرام کی مختلف مقامات پر مدح وثناء کی، اور ہر صحابی میں جو وصف غالب تھا اُس کا تذکرہ کیا۔ مختلف القابات بیان کیے، مختلف نسبتیں، کنیتیں آپ نے رکھیں۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی محبت تھی، استاذ کا ایک جملہ مدح کا کہہ دینا طالب علم کے لئے بڑا اعزاز ہوتا ہے، پھر طالب علم مر مٹنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

39......شاگردوں کی تعریف کریں

طلباء کی اچھے اوصاف واعمال پر تعریف کریں، ہر انسان اپنی تعریف اور عزت نفس سے خوش ہوتا ہے، چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا، جب طالب علم کی آپ تعریف کریں گے کہ آپ نے اچھا کام کیا، اچھا سبق سنایا، اچھے نمبرات حاصل کیے اور آپ ماشاء اللہ نماز میں صف اول کا اہتمام کرتے ہیں، تو بقیہ طلباء بھی اس میں دلچسپی رکھیں گے، استاذ جی نے آج ان کی تعریف کی ہے، کل ہماری تعریف بھی کریں گے اگر ہم نے یہ اوصاف اپنائے۔

[1] سنن الترمذی: أبواب المناقب، باب مناقب معاذبن جبل، رقم الحدیث: 3790

طلباء میں آگے بڑھنے کا جذبہ ہوتا ہے، آج اگر اس نے نوے نمبر لیے تو آپ کی تعریف کی وجہ سے وہ آئندہ سو نمبر لے گا، وہ محنت کرے گا آگے بڑھے گا، آپ نے اُسے آج دس روپے انعام دئے وہ کہے گا زیادہ محنت کروتا کہ استاذ جی مجھے زیادہ انعام دیں۔ اس لیے طلباء کی تعریف کرنی چاہیے، اس معاملے میں اساتذہ عموماً بڑے بخیل ہوتے ہیں، مذمتیں تو بہت کرتے ہیں، تعریف نہیں کرتے، کبھی دو جملے مدح کے حق میں نہیں بولیں گے، دو جملے تعریف کے حق میں نہیں بولیں گے کہ ان میں عبادت کا وصف ہے، اخلاق کا وصف ہے، کردار اچھا ہے، اعمال اچھے ہیں، خدمت گار ہے، تعریف ہونی چاہیے، اس سے طالب علم آگے بڑھتا ہے، انسان جو پھولتا ہے وہ تعریف سے، اور جانور کھانے سے پھولتا ہے، منہ سے کھاتا ہے اور فربہ ہوتا ہے، اور انسان پھولتا ہے اپنی تعریف کے دو جملے سن کر، اس لیے اساتذۂ کرام تعریف کے معاملے میں بخل نہ کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اچھے نتائج آپ آنے والے وقت میں محسوس کریں گے۔

40......اپنی صحت کا خیال رکھیں

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی صحت کا خیال رکھے۔ اس لیے کہ صحت ہے تو سب کچھ ہے، اور اگر صحت نہیں تو کچھ بھی نہیں، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ :الصِّحَّةُ وَالفَرَاغُ"[1]

ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدردانی نہیں کرتے، ایک تندرستی اور دوسری فراغتِ وقت۔

ان کی قدر تب آتی ہے جب یہ انسان کے پاس نہ ہوں، صحت ہوگی تو وہ ہر کام کر سکے گا، اللہ تعالیٰ نہ کرے اگر وہ بیماریاں امراض میں پڑ گیا تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا، اس لیے استاذ کو چاہیے

[1] (صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب لاعيش الاعيش الآخرة، رقم الحديث: 6412)

وہ اپنی صحت کا خاص خیال رکھے، ان چیزوں کو استعمال کرے جو اس کی صحت کے لیے مفید ہیں۔ مضر چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے، اس لیے کہ اگر وہ ان کا استعمال کرے گا کل خدانخواستہ بیماریاں لگ گئیں تو تمام علمی مصروفیات سے رہ جائے گا، آج ہم پیسے خرچ کر کے بیماریاں خریدتے ہیں، ایسی اشیاء کھاتے ہیں جو ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ہیں، عموماً تیل میں پکی ہوئی چیزیں، پراٹھے، سموسے، اور اس طرح کی دیگر چکناہٹ والی اشیاء، اور مثالے دار کھانے، ہمارے ہاں گلی میں ریڑی والا گھومتا ہے کہ سولہ مثالوں سے تیار بریانی، دس روپے فی پلیٹ، تو اب جو سولہ مثالوں سے تیار بریانی معدے کو کتنا نقصان دے رہی ہوگی؟ یہ نہ دیکھا جائے کہ چیز سستی ہے اِسے کھائیں، بلکہ یہ دیکھیں کہ صحت کے لیے کیا مفید ہے۔ تو مہنگا اور سستا ہونا معیار نہ ہو، بلکہ معیار صحت ہو، بہتر ہے کہ پھل فروٹ کھائے، یہ صحت کے لیے زیادہ فائدہ مند چیز ہے، فطرت کی کوئی چیز نقصان دہ نہیں ہے، اللہ رب العزت نے جو چیز فطرتی طور پہ غذا کے لئے پیدا کی وہ نقصان دہ نہیں۔ ہر وہ چیز نقصان دیتی ہے جو ہم خود بناتے ہیں، ہم چار پانچ چیزوں کو ملا کر جب چھٹی چیز بناتے ہیں تو وہ عموماً نقصان دے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا ہوتا ہے وہ نقصان دہ نہیں۔ اس لیے ایک اچھے مدرس کو چاہیے ﴿لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ (1) دودھ کا استعمال رکھے، کھجور کا استعمال کریں، شہد میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے، اس کو استعمال کریں، جنت کے جن میوہ جات کا قرآن میں تذکرہ ہے اُسے استعمال کریں۔ اور خشک غذائیں جیسے بادام، اخروٹ کا استعمال کریں۔ اخروٹ کی شکل بھی دماغ کی طرح ہے، اس لیے جس کے سر میں درد ہوتا ہو روزانہ ایک اخروٹ کھالیا کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ سر درد نہیں ہوگا اور حافظہ بھی قوی ہوگا۔ اخروٹ ایک ایسی غذا ہے جس پر کوئی مکھی وغیرہ نہیں بیٹھتی، اس لئے کہ وہ چھلکے کے اندر پیک ہے۔ آج کے الفاظ میں اس پر جراثیم نہیں ہیں، اللہ رب العزت نے اس کو محفوظ کیا ہے، قدرت کی ہر چیز بڑی محفوظ ہے، کیلا کس طرح اندر پیک ہے؟ مالٹا پیک ہے، انار کے دانے کس قدر محفوظ ہیں۔ اللہ رب العزت نے

(1) النحل: 66

محفوظ رکھا ہے انسان کے فائدے کے لیے، تو بہر حال چالیسویں بات یہ ہے کہ اچھا استاذ وہ ہے جو اپنی صحت کا خیال رکھے۔

41......دعا کی عادت بنائیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہر مشکل موقع پر استاذ دعا کرتا رہے، اگر کتاب نہیں سمجھ آ رہی تب بھی اللہ رب العزت سے مانگے کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے کتاب کو سہل کر دے، اور طلباء کو سمجھانا میرے لیے آسان ہو، اور اسی طرح اپنے حافظہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ (متوفی 793ھ) کا واقعہ علامہ ابن العماد حنبلی رحمہ اللہ (متوفی 1089ھ) کی کتاب ''شذرات الذهب في أخبار من ذهب'' میں ہے، اس میں انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ بڑے کند ذہن تھے، کوئی بات سمجھ نہیں آتی تھی، تکرار کرتے تب بھی سبق سمجھنا دشوار ہوتا، لیکن یہ محنت کرتے رہے، اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہے، ایک دن رات کو خواب دیکھتے ہیں کہ کوئی ساتھی یہ کہہ رہا ہے کہ تفتازانی آؤ ذرا تفریح کے لئے چلتے ہیں، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ نہیں مجھے سبق یاد نہیں، میں تفریح کے لیے کیسے جاؤں؟ ایک دفعہ، دو دفعہ، تیسری دفعہ وہ ساتھی کہنے لگا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں، علامہ تفتازانی رحمہ اللہ یک دم اٹھ کر دوڑتے ہوئے باہر آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرماں ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تفتازانی ہم تجھے بلا رہے ہیں تم نہیں آ رہے ہو، فرمایا یا رسول اللہ! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ مجھے بلا رہے ہیں، پھر انہوں نے بتایا یا رسول اللہ! مجھے سبق یاد نہیں ہوتا، میرا ذہن بہت کمزور ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منہ کھولو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن ان کے منہ میں ڈالا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کو ایسی استعداد وصلاحیت اور حافظہ عطا فرمایا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، وہی علامہ تفتازانی رحمہ اللہ جو سبق نہیں سمجھتے تھے، ایسی صلاحیتیں

عطاء کیں کہ انہوں نے ایسی کتابیں لکھیں کہ آج ان کی لکھی ہوئی کتابیں علماء نہیں سمجھتے، کل تک جو خود سبق نہیں سمجھ رہا تھا، آج اُس کی تصانیف اہلِ علم کے لئے سمجھنا دشوار ہے، چہ جائیکہ عوام ہو۔ اگلے دن جب درس میں آئے تو استاذ سبق پڑھا رہا ہے اور یہ عبارت پر اشکال کر رہے ہیں، تو استاذ بھی سمجھ گئے شاید کوئی وجہ بنی ہے، یہ طالب علم تو بڑا کند ذہن تھا، جب انہوں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ خواب میں مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے، اور پھر اللہ تعالی نے ان کو یہ قبولیت بھی دی ہے کہ درس نظامی میں سب سے زیادہ کتابیں جن کی نصاب میں شامل ہیں وہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ہیں ''تہذیب'' متن ان کا ہے ''مختصر المعانی'' ''مطول'' جو پڑھائی جاتی ہے، سرحد کے بعض مدارس میں ''التلویح'' بھی انہی کی کتاب ہے، اسی طرح عقائد پر ''شرح العقائد'' اور ''شرح المقاصد فی علم الکلام'' تو اللہ تعالی نے ان سے بہت دین کی خدمت لی۔ تو میں نے ایک بات عرض کی کہ دعا کی عادت بنائی جائے، اگر کتاب سمجھ نہیں آ رہی دو رکعت نماز صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ رب العزت سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! اس کتاب کو اور اس فن کو ہمارے لیے سہل کر دے، اسی طرح طلباء کے لیے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالی ان کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، جتنا رجوع الی اللہ ہوگا اتنی تدریس میں قبولیت زیادہ ہوگی اور نفع عام ہوگا۔

42......طلباء کی عزت نفس مجروح نہ کریں

طلباء کی عزت نفس مجروح نہ کریں، اس کا مطلب یہ ہے ہر ہر شاگرد کی اپنی ایک عزت ہوتی ہے، اب کلاس میں اگر اس کی عزت کو استاذ مجروح کرے اور سب کے سامنے اُسے ذلیل ورسوا کرے تو اس سے طالب علم کے دل میں استاذ کی عزت اور مقام باقی نہیں رہتا، اور یہ طالب علم کے لئے بہت نقصان دہ ہے، جتنے پیار اور محبت سے سمجھایا جائے گا طالب علم اتنی بات کو جلدی سمجھے اور قبول کرے گا، اگر اُسے تنہائی میں بلا کر اس کی جو کمی کوتاہی اس کی اصلاح کر دی جائے یہ سب سے بہتر ہے، بھری کلاس میں کسی شاگرد کو رسوا و ذلیل نہ کیا جائے۔

عزتِ نفس کے مجروح ہونے کی وجہ سے بچہ گھر سے بھاگ گیا

اس پر ایک واقعہ مختصر عرض کرتا ہوں، ایک دفعہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک شخص آیا اور وہ آ کر کہنے لگا مولانا صاحب! کوئی وظیفہ بتائیں کہ میرا بیٹا گھر سے بھاگا ہوا ہے، کافی عرصہ ہوگیا وہ لاپتہ ہے، تو میں نے اس سے پوچھا کہ وہ گم ہوگیا ہے یا گھر سے بھاگا ہے، اُس نے کہا وہ بھاگا ہے، میں نے کہا کیوں بھاگا؟ تو اس نے کہا وہ کئی دن سے اسکول اور مدرسے نہیں جارہا تھا، تو میری گھر والی نے اپنے بھائی کو یعنی بچے کے ماموں سے کہا کہ تم جا کر اس پر سختی کرو یہ اسکول اور مدرسے نہیں جاتا، تو اب ماموں بچے کو تلاش کرنے لگا تو وہ بچہ کھیل رہا تھا، دس سے بارہ سال اس کی عمر تھی، تو اس دوران یہ گیا اور اس نے جا کر اس بچے کے ازار (شلوار) نیچے اتار دی، جب ازار اتاری تو اب اس کی عزتِ نفس سب دوستوں کے سامنے مجروح ہوئی، اور وہ سب کے سامنے رونے لگا، ماموں نے اسے رسوا بھی کیا اور مارا بھی، تو اب یہ ماموں تو آ گیا اور اپنے آپ کو بڑا دلیر سمجھتے ہوئے کہ میں نے آج اس کی پٹائی کی، اور میں نے اس کو بے عزت کیا، اب کافی وقت گزر گیا، شام ہوگئی لیکن وہ بچہ گھر نہ آیا، جب اس کا والد کام سے آیا تو والد کہتا ہے مجھے اہلیہ نے کہا کہ آج بچہ ابھی تک گھر نہیں آیا، والد تلاش کرنے لگا، کافی تلاش کرلیا، لیکن بچہ نہ ملا، والد کہتا ہے سات مہینے سے میں اِسے تلاش کر رہا ہوں کوئی جگہ میں نہیں چھوڑی، لیکن اُس بچے کا کوئی علم نہیں زندہ ہے یا مردہ، اور اس نے کہا کہ میں نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی یعنی میں ایدھی سنٹروں میں گیا کہ ہو سکتا ہے بچہ وہاں ہو، مشہور جو اسکول یا مدارس تھے، یا جہاں بچوں کے جمع ہونے کا امکان تھا میں وہاں بھی پہنچا، میں اسٹیشنوں پر بھی گیا ہوں اور مختلف شادی ہالوں میں بھی، کسی نے کہا فلاں فلاں جگہ میں بچے ہوتے ہیں میں وہاں بھی گیا، فٹ پاتھوں پر بھی میں نے رات کو چکر لگائے، یہاں تک کہ کوئٹہ تک تلاش کرتا رہا، کہا میں دن رات مسلسل تلاش کر رہا ہوں، اس کی والدہ کا رو رو کر برا حال ہے، ذہنی مریض بن چکی ہے، اور جتنا میں نے کمایا تھا سات مہینے میں لگا چکا ہوں، لیکن اب تک بچے کا کوئی پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا نہیں۔

ہر کسی کی ایک عزت نفس ہے، اس لیے استاذ طالبِ علم کو کبھی ان کے دوستوں اور ہم عصروں کے سامنے ذلیل ورسوانہ کرے، آپ سارے علماء ہیں، اللہ تعالیٰ اگر آپ کو تدریس کا موقع دے تو طلباء کو ہمیشہ پیار سے سمجھائیں، محبت کی زبان انسان جلدی سمجھتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال گزارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی ''اُف'' تک نہیں کہا، دس سال کتنا بڑا عرصہ ہے اور وہ بچے تھے، بہت مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے خلاف بھی کیا ہوگا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ''اُف'' تک نہ کہا:

''خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ، وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، خدمت کی مجھے کسی بات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا، اور اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے خلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہ چھوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

اس لیے محبت اور شفقت کے ساتھ جب بھی کوئی بات ہو طالبِ علم کو سمجھائیں ان شاءاللہ تعالیٰ اس کا فائدہ ہوگا، کلاس میں کبھی ذلیل اور بے عزت نہ کریں۔ کلاس سے باہر نکال دینا، مرغا

بنا دینا، کتابیں سر پہ رکھ دینا اور حلق کروا دینا، اس طرح کی جو سزائیں دی جاتی ہیں اس سے طالب علم کے دل میں محبت نہیں نفرت آتی ہے۔ تو طالب علم کے ساتھ معاملہ ایسا کیا جائے جیسے انسان اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے، اس کو اپنی اولاد کا درجہ دیں تو پھر وہ استاذ کو بھی والد کی نظر سے دیکھے گا۔

43......غیر مناسب الفاظ اور برے القاب سے گریز کیا جائے

غیر مناسب الفاظ اور برے القابات سے گریز کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے بسا اوقات استاذ نادانی میں ایسے الفاظ کہہ دیتا ہے جو مہذب نہیں ہوتے، یا برے القاب کہہ دیتا، جیسے بعض کہہ دیتے ہیں یہ طالب علم ذلیل ہے، کمینہ ہے، اس طرح کے نازیبا جملے کہتے ہیں، جس سے شاگرد کے دل میں استاذ کے لئے وہ عزت اور مقام باقی نہیں رہتا۔ عموماً حفظ وناظرہ کے طلباء وہ استاذ سے بہت سیکھتے ہیں، وہ بچے ہوتے ہیں دس سال بارہ سال عمر ہوتی ہے، اب استاذ جو زبان استعمال کرتا ہے وہی زبان استعمال کرتے ہیں، پھر جب وہ گھروں کو لوٹ کر جاتے ہیں تو وہ اسی طرح بولتے ہیں، جس طرح انہوں نے استاذ سے سیکھا تھا، وہ تو استاذ کی ہر بات کو لیتے ہیں، اوران کا زیادہ وقت استاذ کے ساتھ گزرتا ہے۔

جب میں ناظم تعلیمات تھا تو ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک طالب علم کے والد آئے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کے ہاں میرا بچہ پڑھتا ہے، حفظ کرتا ہے، پہلے اس کی گفتگو اچھی تھی، اب جب سے یہاں حفظ میں لگا ہے گھر آتا ہے تو کہتا ہے، کمینے، ذلیل، کمبخت، یوں اس طرح کے غیر مہذب الفاظ و جملے کہتا ہے، کہا ماشاء اللہ بہت اچھا پڑھ رہا ہے، بہت آگے نکل چکا ہے، لیکن تربیت میں کمی ہے اور کہا میں جو سمجھتا ہوں شاید اس کو پڑھانے والا استاذ ہوگا وہ یہ جملے استعمال کرتا ہوگا اور یہ وہاں سے سیکھ رہا ہوگا۔ عموماً ہمارے ہاں حفظ وناظرہ کے اساتذہ کی تربیت کے لحاظ سے بڑی کمی ہوتی ہے۔

بچہ جو حفظ میں ہوتا ہے وہ بارہ سے چودہ گھنٹے استاذ کے پاس ہے، گھر تو وہ عموماً ہفتے کے بعد جاتا ہے، تو اب آیا وہ یہ ساری باتیں کہاں سے سیکھ رہا ہے؟ باہر اس کا وقت نہیں گزر رہا، اس

لیے استاذ کی گفتگو جتنی سنجیدہ ہوگی، استاذ کی زندگی میں جتنا تقوی ہوگا، الفاظ کے چناؤ کے اندر جتنا وہ مہذب الفاظ چنے گا، طالب علم اس سے سیکھے گا، اس لیے انسان غیر مہذب الفاظ نہ کہے، کلاس میں کسی کو برے لقب کے ساتھ نہ پکارے، مثلاً لنگڑے، اندھے، لمبے، ٹھگنے، کالے وغیرہ، قرآن بھی اس سے منع کرتا ہے ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ کسی کی خلقت پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے، اللہ تعالی نے جس کو بھی بنایا ہے تو قرآن کہتا ہے ہم نے اس کو ﴿ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ بہترین سانچے میں بنایا ہے۔ تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی بنایا ہے وہ خوبصورت ہے، ہر انسان کو اس کے والدین کی نگاہوں سے دیکھو، وہ ان کی نظر میں کتنے خوبصورت ہیں، ہمیں بظاہر اگر وہ بدصورت نظر آ رہا ہے، لیکن ان کے ماں باپ سے پوچھو وہ ان کے جگر کا ٹکڑا ہے، ان کی آنکھوں کا تارا ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی کا محبوب ہوتا ہے، اگر مجھے آپ کو وہ پسند نہیں ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اوروں کے ہاں بھی پسندیدہ نہیں۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی صورت اچھی نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کام بڑے بڑے لے لیتا ہے، تو صورت کا اچھا ہونا یہ کمال نہیں ہے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالی عنہ سیاہ فام تھے، لیکن اللہ رب العزت نے کیا مقام عطا کیا؟ حضرت لقمان سیاہ فام تھے، حبشی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کیا عزت دی کہ آج قرآن میں ان کا تذکرہ ہے، پوری سورت ان کے نام پر ہے، تو معلوم ہوا کہ رنگت کا سفید یا سیاہ ہونا معیار نہیں ہے۔ بیت اللہ کا کپڑا سیاہ ہے لیکن ہر مسلمان اس کو چومتا ہے، کفن کا کپڑا سفید ہے، لیکن اس سے وحشت کرتا، گھبراتا ہے، تو معیار سفیدی یا سیاہی نہیں، معیار عمل ہے۔ تو طالب علم کے عمل پر توجہ دینی چاہیے، بظاہر وہ جیسا بھی کیوں نہ ہو، بسا اوقات شکل اچھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کام بڑے بڑے لے لیتا ہے، امام جاحظ رحمہ اللہ (متوفی 255ھ) بڑے بد صورت تھے، یہاں تک کہ ان کے بارے میں یہ جملہ کہا گیا:

"لو يمسخ الخنزير مسخا ثانيا ...ما كان إلّا دون قبح الجاحظ" [1]

اگر خنزیر کو دوبارہ مسخ کرو تو وہ بھی جاحظ سے زیادہ خوبصورت ہوگا، امام جاحظ رحمہ اللہ اس

---

[1] ربيع الأبرار: ج2ص185

سے زیادہ بدصورت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے کمال ایسا دیا تھا کہ آج ان کی لکھی ہوئی کتابیں "البیان والتبین ، کتاب البخلاء، کتاب الحیوان ،المحاسن والأضداد ، رسائل الجاحظ" آج ادب کوئی سیکھنا چاہتا ہے تو امام جاحظ رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھتا ہے، تو بہرحال کمال ایسی چیز ہے جو انسان کے عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ علمی کمال انسان کے عیوب پر دہ ڈال دیتا ہے، شکل وصورت کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھو، شاید وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ اُس سے دین کا کوئی بڑا کام لے لے۔

44......طلباء کے لئے دعا کرتے رہیں

شاگردوں کے لیے استاذ دعا کرتا رہے، والدین اور اساتذہ کی دعائیں بڑی قبول ہوتی ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" ثَلاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ : دَعْوَةُ الْوَالِدِ ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ" (1)

ترجمہ: تین دعائیں ضرور قبول کی جاتی ہیں اور ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے، باپ کی دعا اولاد کے حق میں، مسافر کی دعا، مظلوم کی دعا (خواہ فاسق وکافر ہی کیوں نہ ہو)۔

جس طرح حقیقی والد کی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے، اسی طرح استاذ ایک روحانی والد ہے، وہ بھی اگر شاگردوں کے لیے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرماتے ہیں۔ اس لیے کوئی طالب علم کمزور بھی ہو اُسے دعاؤں میں یاد رکھیں اور اُس سے مایوس نہ ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ مستقبل میں اس سے دین کا بہت بڑا کام لے لے، کیونکہ اللہ رب العزت کے ہاں تو قابلیت شرط نہیں ہے، قبولیت شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں استعداد نہیں بلکہ تقوی معیار ہے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (2) ممکن ہے کہ صلوۃ وصوم اور شب بیداری کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اُس کا بلند مقام ہو، اور اللہ رب العزت اُس سے مستقبل میں دین کا کوئی بڑا کام لے لیں۔

---

(1) سنن أبی داؤد: كتاب الصلاة، باب الدعاء بظهر الغيب، رقم الحديث: 1536

(2) الحجرات: 12)

45......حتی الامکان طلباء کا اخراج نہ کریں

کسی طالب علم کو مدرسے سے نہ نکالیں، جب وہ ایک دفعہ تعلیمی ماحول میں آ گیا اب اگراس کی زندگی میں عملی اعتبار سے کوئی کمی کوتاہی ہے تو کوشش کریں اس کو سمجھائیں، تنہائی میں سمجھائیں، مختلف پہلوؤں سے سمجھائیں، مختلف اساتذہ کرام سمجھائیں، ان کے سرپرستوں کے ذریعے سے، دوستوں کے ذریعے سے، یعنی مختلف زاویوں سے اُسے سمجھانے کی کوشش کریں، اخراج نہ کریں، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جس طالب علم کا اخراج ہو وہ مایوس ہو جاتا ہے، پھر وہ عموماً تعلیم سے رہ جاتا ہے، اور جب وہ رہ جاتا ہے تو نہ وہ دین کا ہوتا ہے اور نہ دنیا کا۔ اب اس نے آدھا پڑھ کر چھوڑ دیا تو وہ نہ اس لائن کا رہتا ہے نہ اُس لائن کا۔ اور پھر عموماً گناہوں میں بہت آگے بڑھ جاتا ہے، اور ایسے طالب علم کے دل میں علماء کے لیے توہین اور دینداروں کے لیے نفرت کے جذبات ہوتے ہیں، میں پڑھنے والا تھا اور مجھے نکال دیا۔ بہر حال اس کی غلطی بھی ہوگی، لیکن وہ اپنے آپ اساتذہ کو اور علماء کو طعن تشنیع کا نشانہ بنائے گا، اس لیے بہتر ہے کسی طالب علم کے اخراج میں جلدی نہ کی جائے۔ ممکن ہے کہ اللہ رب العزت کو اُس کی کوئی ادا پسند آجائے اور وہ مستقبل میں اُس کی دین کی نشر واشاعت اور مقبولیت کا ذریعہ بن جائے۔

کند ذہن طالب علم سے دین کا کتنا فیض پھیلا

عرب کے ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں حضرت مولانا عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (متوفی 1420ھ)، ان کے فتاوی اس وقت چھپے ہوئے ہیں، تو ان کا ایک واقعہ میں نے ایک رسالہ میں پڑھا کہ ایک طالب علم تھا، وہ ریاض میں پڑھتا تھا، اور بڑا ہی کند ذہن تھا، تو اساتذہ نے مشورے سے کہا کہ یہ پڑھنے میں کمزور ہے اور شرارتیں بھی کرتا ہے تو اس کا اخراج کر دیا، اس سے مدرسہ کا ماحول متاثر ہوتا ہے، اور اب چونکہ یہ اس وقت بڑے تھے، مجلس شوری کے اہم رکن تھے، تو ان سے مشاورت باقی تھی، صرف ان کا

دستخط باقی تھا کہ طالب علم کا اخراج ہو، سب اساتذہ کی رائے جب ان کے سامنے آئی، تو انہوں نے فرمایا اس طالب علم کو نہ نکالو، سب نے کہا حضرت وہ پڑھتا بھی نہیں ہے، شرارتیں بھی کرتا ہے، انہوں نے کہا اسے میری طرف بھیجو، مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اُسے پاس بلایا اور تنہائی میں سمجھایا کہ آپ اتنے دور سے آئے ہو پڑھنے کے لیے، وہ افریقہ سے آیا تھا، آپ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو، محنت کرو، اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو، اللہ تعالی آپ کو صلاحیت دے گا، آپ سے دین کا کام لے گا، تو یہ بڑے اللہ والے تھے، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اس کے سامنے اس کے لیے دعائیں کیں کہ اللہ تعالی تم سے دین کا بڑا کام لے، اور تمہارے فیض کو اللہ تعالی ہر جگہ پھیلائے، تو جب استاذ نے اس کے لیے اتنی دعائیں کیں، اب استاذ بھی بڑی عمر کے اور اپنے دور کے ایک بہت بڑے عالم، طالب علم نے عہد کیا کہ میں محنت کروں گا اور سستی نہیں کروں گا، اور حضرت کی صحبت کی وجہ سے وہ رونے لگا اور پھر کہا استاذ جی مجھے نہ نکالیں، انہوں نے نہیں نکالا، اب یہ پڑھتا رہا، علامہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک عرصہ دراز کے بعد میرا افریقہ چکر لگا، تو میں جب وہاں پر پہنچا تو مختلف جگہ بیانات کرنے کے بعد مجھے ایک ساتھی نے کہا یہاں ایک بہت بڑے عالم ہیں، اور اس سے بڑی ہدایت پھیل رہی ہے، سینکڑوں لوگ دین کی طرف آ گئے، اس نے ایک بڑا ادارہ بنایا، بہت سی مسجدیں اس نے تعمیر کر دی ہیں، جوانوں میں بھی کام کر رہا ہے، لڑکوں میں بھی، لڑکیوں میں بھی، نوجوان نسلوں کے دین کو محفوظ کر رہا ہے اور دین کا بڑا داعی ہے، یہ فرماتے ہیں میرے دل میں بات آئی کہ میں اس سے ملوں کہ جو اتنا کام کر رہا ہے، تو انہوں نے کہا کہ تم جا کر اس سے وقت لے لو ان سے ملاقات کرتے ہیں، اب وہ شخص گیا ان کے پاس، ان سے کہا کہ شیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ آئے ہوئے ہیں اور وہ آپ سے ملاقات کا وقت چاہ رہے ہیں، اب یہ ان کے شاگرد تھے، اس نے کہا وہ تو میرے استاذ ہیں، تو میں خود ان کے پاس چل کر آؤں گا، اسی وقت ان کے ساتھ گاڑی میں حضرت کے پاس آئے، اور اپنا تعارف کرایا کہ میں وہی طالب علم ہوں جن کا اساتذہ اخراج کر رہے

تھے، اور آپ نے مجھے قریب بلا کر میرے لیے دعا کی تھی اور مجھے سمجھایا تھا، تو اس وقت سے میں نے پڑھائی اور محنت شروع کی، اور وہ اپنا سابقہ واقعہ آبدیدہ ہوئے سنا رہا تھا، حضرت اس سے بہت خوش ہوئے اور اُن کے لئے دعائیں کیں۔ تو حضرت فرماتے ہیں پھر وہ مجھے گاڑی میں لے کر گیا اور جب میں گیا تو میں نے دیکھا واقعی اس نے پورے علاقے کی فضا بدل دی تھی، علاقے میں ایک بہت بڑی مسجد، ایک بڑا ادارہ قائم کیا تھا، اور اس مسجد کی کئی شاخیں تھیں، مکتب بنائے، علاقہ کی فضاء بدل دی تھی، اللہ تعالیٰ اس سے بڑا کام لے رہا تھا، فرماتے ہیں جب میں نے اس کی کارگزاری سنی، تو میں نے سر جھکایا تو آنسو بہنے لگ گئے اور میں سوچنے لگا شاید یہی عمل میرے لیے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔ تو اس لیے میں نے ایک بات عرض کی طالب علم کا اخراج نہ کریں، کوئی کمی کوتاہی نظر بھی آجائے آپ اُسے سمجھا لیں، ہوسکتا ہے آپ کے سمجھانے سے وہ سمجھ جائے، استاذ اگر اس کے لیے دو جملے دعائیہ کہہ دے، کچھ اکرام کردے، کچھ اس کو نقدی رقم دے، تو اس کا دل فوراً ہی آمادہ ہوجاتا ہے۔ ہمارے مدارس کے ماحول میں اساتذہ کے ساتھ عقیدت اور محبت بہت زیادہ ہے، اسکول، کالج یونیورسٹیوں میں یہ نہیں ہے، ہمارے مدارس کے ماحول میں ایک طالب علم استاذ کے لیے مرمٹنے کے لیے تیار ہوتا ہے، ہر وقت سر جھکائے خدمت کے لئے تیار رہتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ استاذ کے چند جملے اس کی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔ طالب علم اگرچہ کند ذہن کیوں نہ ہو، لیکن استاذ کی عقیدت و محبت اس کے دل میں ہوتی ہے۔ تو بہرحال میں نے ایک بات یہ عرض کی اخراج سے بچنا چاہیے، آپ میں سے اگر کوئی آگے جا کر مہتمم یا ناظم بنے تو کوشش یہ کریں جہاں تک ہوسکے اخراج نہ کریں، اصلاح کی کوشش کریں۔ تخریب آسان ہے تعمیر پر کوشش کریں۔

46......طلباء کے حق میں دعائی کلمات کہیں

جب بھی طالب علم کوئی خدمت کرے دعائیہ کلمہ کہیں، مثلاً کوئی طالب علم آپ کے جوتے اٹھالے تو ''جزاک اللہ خیرا'' کوئی آپ کے لیے چائے لے آئے، سامان اٹھا

لے، کتابیں آپ کے ہاتھ سے لے، غرض کوئی بھی خدمت کرے تو دعا کر دیں، اللہ رب العزت آپ کو عزت عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم میں برکتیں عطا فرمائے۔ استاذ کے یہ دو جملے ہوں گے، لیکن طالب علم کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہوگا۔ ممکن ہے قبولیت کا وقت ہو اور اس کے حق میں دعا قبول ہو جائے، دعا سے طالب علم کے دل میں محبت پیدا ہو جاتی ہے، وہ استاذ کی زیادہ خدمت کرنے لگتا ہے، ہم دعا کے معاملے میں بڑے بخیل ہیں، ایک طالب علم بڑی محنت کرے گا، بڑی محبت کرے گا، ہر قسم کی خدمت کرے گا، لیکن استاذ کبھی اس کے لیے دعائیہ کلمات نہیں کہتے، دعائیہ کلمات کہنے چاہیے، اس سے طالب علم میں خدمت اور محبت کا جذبہ اور بڑھتا ہے، پھر وہ اس کو اپنے لیے فخر بھی سمجھتا ہے، فلاں موقعہ پر میرے استاذ محترم نے میرے لیے یہ دعا کی تھی۔

47......طلباء کی مالی امداد کریں

طلباء کی مالی امداد کرتے رہیں، بعض طالب علم کند ذہن ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ مالی اعتبار سے بھی کمزور ہوتے ہیں، کہ گھر سے عموماً خرچہ نہیں آتا، عموماً بلوچستان، سرحد، افغانستان اور دیہاتی علاقوں کے طلباء زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اس طرح کوئی طالب علم اگر استاذ کی نظر میں ہو تو ضرور ان کے ساتھ مالی تعاون کریں، لیکن تنہائی میں سب کے سامنے نہیں، اکیلے میں ان کی امداد کی جائے۔ طالب علموں کی دعائیں بڑی قبول ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی 2011ء سے لے کر 2021ء تک آج تک اس دس سال کے عرصے میں ایک بات جو میرے مشاہدے میں رہی کہ جب بھی کوئی مشکل آئی ہے اور طلباء سے دعا کروائی تو اللہ تعالیٰ نے مشکل کو دور کر دیا۔ طالب علموں میں بڑے اللہ تعالیٰ کے ولی ہوتے ہیں، ویسے بھی یہ لوگ مسافر ہیں، مہمانانِ رسول ہوتے ہیں، اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑا مضبوط ہوتا ہے، ان کا سارا وقت مسجد کے ماحول میں، مدرسے کے ماحول میں گزرتا ہے، ہوسکتا ہے وہ ذہانت میں کمزور ہوں، لیکن عند اللہ ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، اس لیے طالب علموں کے بارے میں کبھی بدگمانی نہ کریں، اور ان کی استعداد وصلاحیت کی کمی کی

وجہ سے کبھی مایوس بھی نہ ہوں، ان سے دعاؤں کی درخواست کریں، یہ استاذ کے حق میں صدقِ دل کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔

میرے والد صاحب رحمہ اللہ جس وقت میں سابعہ اور دورہ حدیث میں بنوری ٹاؤن جاتا تھا تو وہ مجھے روزانہ ایک ہزار روپے دیتے تھے، یعنی 2008، 2009، میں اس وقت ہزار روپے کی بڑی مالیت تھی، آج سے دس بارہ سال پہلے ہزار روپے ایک بڑی رقم تھی، ایک دن کا ہزار روپے تو مہینے کے تیس ہزار روپے بنتے تھے، لیکن الحمدللہ جتنی رقم والد صاحب دیتے تو میں مستحقین طلباء کو تنہائی میں دے دیتا اور وہ مجھے بڑی دعائیں دیتے، اور جو رقم بچ جاتی تو اُس سے کتابیں خریدتا تھا، متوسطہ سوم سے لے کر دورہ حدیث تک بہت سارے ساتھی ایسے تھے جو مالی اعتبار سے بڑے کمزور تھے اور ان کے لیے گھر سے خرچہ نہیں آتا تھا، ہمارے دو ساتھی افغانستان کے بھی تھے، سال بھر یہیں ہوتے تھے، ان کے پاس بالکل خرچہ نہیں آتا تھا، تو میں ہر ہفتے دو ہزار روپے ان کو دے دیتا، اس طرح اور بھی بہت سے ساتھی تھے، تو اللہ تعالی نے آج جو عزت دی ہے کہ دو حرف بول سکتا ہوں، پڑھ سکتا ہوں، لکھ سکتا ہوں، تو میں سمجھتا ہوں کہ ان ساتھیوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ ان میں کئی ایک ساتھی ایسے تھے جو کہتے تھے کہ امیر صاحب! ہم آپ کے لیے رات کو اٹھ کر دعا کرتے ہیں۔

انسان بلندیوں پر صرف ڈگریوں سے نہیں پہنچتا، یہ کاغذ کے پرزے تو سب کے پاس ہوتے ہیں، یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اگر ایک آدمی عزت کو نہ پائے تو شاید دنیا میں اس کے ساتھ کسی کی دعائیں نہیں ہیں، ورنہ انسان انگوٹھا چھاپ ہوتا ہے اور دولت اتنی ہوتی ہے کہ اُسے بھی علم نہیں ہوتا، دعائیں انسان کو بہت بلندی پر پہنچا دیتی ہیں، والدین کی دعائیں، اساتذہ کی دعائیں، اسی طرح طلباء کی دعائیں، تو اگر اللہ تعالی نے مال دیا ہو اُسے زیب وزینت اور فضول خرچی میں نہ لگائیں، اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو طلباء پر خرچ کریں، مستحق طلباء کے ساتھ الگ سے تعاون کریں، اب بھی الحمدللہ میرا معمول ہے کوئی طالب علم اس طرح مسجد میں آجاتا ہے، یا انفرادی ملتا ہے، اور مجھے معلوم ہو کہ اس کی مالی وسعت نہیں تو

کوشش کرتا ہوں کہ تعاون کروں۔ تو اس طرح اگر اللہ تعالیٰ آپ کو بھی توفیق دے تو حسب توفیق تعاون کیا کریں، اس سے مال میں بھی برکت ہوگی اور طالب علم جتنا سبق پڑھے گا اس میں آپ کا حصہ بھی ہوگا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کی دلی دعائیں آپ کے حق میں مستقبل میں رنگ لائیں گی، اور مال بھی کئی گنا ہو کر واپس لوٹ آئے گا۔ اسی طرح اگر والدین حیات ہوں تو ان کی بھی خدمت کی جائے، ان سے بھی دعائیں لی جائیں، ماں باپ کی دعا بھی فوراً عرشوں تک پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو عزت عطا فرماتے ہیں۔

48......طلباء کو جھڑکیں نہیں

اس کا مطلب یہ ہے طالب علم اگر کوئی بات پوچھ رہا ہے تو اُس پر سختی نہ کریں، سخت لہجے میں کہہ دینا دفع ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، اس طرح ڈانٹنا مناسب نہیں۔ کوئی سوال پوچھنے آئے، یا کوئی تعبیر پوچھنے آئے، یا کوئی مشورہ کرنے آئے تو اُسے وقت دیں، اگر آپ کہیں جلدی میں ہیں یا کہیں سفر ہے تو محبت سے دو جملے کہہ دیں کہ میں اس وقت جلدی میں ہوں کل آپ سے ملوں گا، میں نے کہیں کام سے جانا ہے فارغ نہیں ہوں، کل فلاں وقت آپ کو بتا دوں گا، اب بجائے اس کے غصہ ہونا یا جھڑکنا، اس سے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جب بھی کوئی پوچھنے کے لیے یا ملاقات کے لئے آئے، تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اے اللہ! تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ لوگ مجھ سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ طلباء میری جوتیاں اٹھا رہے ہیں، ورنہ میں اس قابل کہاں، ذرا ہم باہر گھومیں اور دیکھیں کہ ہماری طرح کے انسان ہیں لوگوں کے آگے ملازمت کر رہے ہوتے ہیں اور صبح سے شام تک دوسروں کے برتن دھو رہے ہوتے ہیں، دن بھر اُن کی عزتِ نفس مجروح کی جاتی ہے، یہ سب سن کر بھی وہ اپنا وقت گزار لیتے ہیں۔ آج اللہ رب العزت نے ہمیں اگر عزت دی تو ہم کسی کو جھڑکیں نہیں غصہ نہ کریں۔ بعض طلباء محبت سے مصافحہ کرنے آتے ہیں تو اب بعض اساتذہ ان سے ہاتھ نہیں ملاتے، اور اعراض کر کے چہرہ پھیر کے چلے جاتے ہیں، اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قابل بنایا کہ کوئی آپ سے ملنے کے لیے آ رہا

ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قابل بنایا کہ کوئی آپ سے وقت لے رہا ہے۔ اگر کوئی آپ سے ملاقات کرنا چاہے تو اُسے وقت دیں، عموماً یہ دیکھا گیا ہے ہمارے ہاں جب کوئی بڑا عالم بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے عزت دے دیتا ہے، تو غیر شعوری طور پر اس میں عجب آجاتا ہے، کوئی ملنے کے لیے آئے تو وقت نہیں دیتے، کوئی مصافحہ کرنا چاہے تو ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ کوئی محبت سے کسی کتاب یا ڈائری پر نصیحت لکھنے کے لئے کہتا تو اس سے گریز نہ کریں، اگر آپ کی مصروفیات ہیں تو آپ آنے والوں کے لیے ایک وقت مقرر کریں، اس وقتِ مقرر پر مہمان آئیں تو ان کی عزت کریں، عموماً یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وقت دے دیتے ہیں، لیکن ملاقات نہیں کرتے، ایک آدمی دو ڈھائی گھنٹے کا سفر طے کر کے آپ سے ملنے کے لیے آتا ہے اور آپ آگے سے اپنی مصروفیت کا بہانہ کر کے اُسے ٹال دیتے ہیں، یہ مناسب انداز نہیں۔ آج کل کی عمومی مصروفیات بھی کیا ہوتی ہیں موبائل کی، انٹرنیٹ، فیس بک اور واٹس ایپ کی۔ دوسرے کی تکلیف کا لحاظ رکھیں، اور یہ تصور کریں اگر میں کسی سے ملنے جاؤں اور اُن کا یہ رویہ ہو جو میں نے ان کے ساتھ کیا تو میرے اوپر کیا گذرے گی۔ اب یہ شخص اکیلا بدظن نہیں ہوتا وہ کئی اور ساتھیوں کو بھی بتلاتا ہے، تو پھر اس طرح بہت سے لوگ بدظن ہوتے جاتے ہیں، جب کوئی ایک آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہوگا تو وہ بیسیوں کو بتلائے گا، اور آپ کی عزت وشرف اور مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ جتنا انسان عظیم ہوتا ہے اس کے اخلاق بھی اتنے عظیم ہونے چاہیے۔ آج ہم کہتے ہیں ہم مصروف ہیں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مصروف تو نہیں، آپ کے اسوہ حسنہ کا مطالعہ ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ باوجود یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی ذمہ داریاں تھیں، لیکن آپ ہر ایک کو وقت دیتے، ہر خاص وعام کو، دیہاتیوں، اعرابیوں کی سختیوں کو بھی آپ نے برداشت کیا۔ سخت جملے بھی کہے گئے آپ نے برداشت کیے۔ آج ہمارے اندر پیغمبرانہ اخلاق کی کمی ہے، معلومات تو ہیں، لیکن پیغمبر کے اخلاق آج ہم میں نہیں۔ ایک مقتدی ساتھی مجھے کہنے لگے کہ ایک بہت بڑے عالم تھے، ہم ان سے ملاقات کرنے کے لئے گئے، اُن کی مسجد میں نماز پڑھی، نماز کے بعد

حضرت سے مصافحہ کرنے لگے تو حضرت نے ہاتھ کھینچ دیا، اور اپنے عصا سے اشارہ کیا کہ دور ہو جاؤ، وہ ساتھی کہتے ہیں کہ ہم اگلی نماز تک مسجد میں انتظار کرتے رہے کہ اس میں ملاقات ہو جائے گی، صرف مصافحہ مقصود تھا، جب ہم نماز کے بعد قریب ہونے لگا تو انہوں نے مجھ سے منہ پھیر دیا اور آگے بڑھ گئے، تو وہ ساتھی ہدیہ بھی لے کر گئے تھے، تو وہ بڑے متنفر ہو کر آئے کہ میں اتنا سفر طے کر گیا، ہدیہ بھی لے کر گیا، لیکن حضرت نے مجھ سے مصافحہ کرنا بھی گوارا نہ کیا، تو بہر حال اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک نہیں بہت سے لوگ پھر ان سے کٹ جاتے ہیں، اس لئے کسی کو جھڑکنا نہیں چاہئے، جب بھی کوئی آئے تو محبت سے پیش آئیں، شاید یہ حسنِ اخلاق نجات کا ذریعہ بن جائے۔

49......اپنی غلطی سے رجوع کریں

ایک اچھے استاذ کا وصف یہ ہے کہ وہ اپنی غلطی سے رجوع کرتا ہے، اگر کوئی مسئلہ بتایا اور اس میں خطا ہوگئی، کسی عبارت کی توضیح کی اور عبارت کی وضاحت میں کوئی ان سے لغزش ہوگئی، اور کوئی بتا دیتا ہے کہ حضرت آپ سے اس مسئلہ میں تسامح ہوا ہے تو اُسے رجوع کر دینا چاہیے، یا کل ایک بات بتائی پرسوں اپنے علم میں آ گئی کہ میں نے جو بات کی تھی وہ ٹھیک نہیں ہے تو رجوع میں کوئی حرج نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتنے مسائل میں رجوع کیا؟ امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، آپ فقہاء کی زندگی دیکھیں کتنے مسائل میں رجوع کیا؟ رجوع سے عزت کم نہیں ہوتی بڑھتی ہے۔ تواضع، خشیت اور اپنی خطاء سے رجوع کرنے سے عند اللہ وعند الناس قبولیت بڑھتی ہے۔ اپنی غلط بات پر جمنا نہیں چاہیے، ضد وعناد اور تعصب سے بچنا چاہیے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے مسائل میں تو با قاعدہ ''ترجیح الراجح'' کا عنوان ہوتا تھا کہ پہلے میری یہ رائے تھی اب میری رائے یہ ہے، بہت سے مسائل میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے رجوع کیا، رجوع کرنے سے انسان کی عزت گھٹتی نہیں ہے، اس لیے کسی مسئلے میں اگر معلوم

ہو کہ غلطی ہوگئی ہے تو فوراً رجوع کر کے صحیح بات کی وضاحت کریں، معصوم صرف انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ قدسیہ ہے، انسان جاہل پیدا ہوا اور اُسے جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔

50......طلباء کے نام یاد رکھیں

نام یاد رکھنے سے محبت بڑھتی ہے، طالب علم کو نام سے پکارا جائے یا لقب سے۔ حافظ صاحب، امیر صاحب، مولانا صاحب، قاری صاحب وغیرہ۔ جو آپ اس کے لیے بہتر سمجھ رہے ہیں اس سے اُسے پکاریں، تو ان شاء اللہ اس کے دل میں عزت بڑھے گی، لقب سے پکارنے سے یا نام لے کے پکارنے سے مخاطب کے دل میں عزت بڑھتی ہے، تین چیزیں ایسی ہیں جس سے دوسروں کے دلوں محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نمبر ایک سلام میں پہل کرنے سے اور نمبر دو اچھے نام ولقب سے پکارنے سے اور نمبر تین مجلس میں ان کی آمد پر جگہ بنانے سے۔ اگر چہ جگہ نہ ہو تھوڑا سا آدمی اپنی جگہ سے کھسک جائے، تو اس سے آنے والے کے دل میں عزت بڑھ جاتی ہے، اس لیے پچاسویں بات یہ ہے کہ طلباء کے نام یاد رکھیں اور انہیں محبت وعزت کے ساتھ پکاریں۔

51......ہر کام میں میانہ روی اختیار کریں

ایک کامیاب استاذ وہ ہوتا ہے جو اپنے ہر کام میں میانہ روی اختیار کرتا ہے، میانہ روی کا مطلب ''اعتدال'' ہے۔ عموماً کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابتدا میں سبق میں بڑی تفصیلی مباحث ہوتی ہیں اور جب سال کا آخر آتا ہے تو ترجمہ بھی نہیں ہو پاتا، بڑی تیزی کے ساتھ صرف عبارت ہی پڑھی جاتی ہے۔ اب اگر استاذ اعتدال کے ساتھ سبق پڑھاتا اور سال کے شروع سے لے کر آخر تک ایک نہج پر چلتا تو ہر حدیث کی کچھ نہ کچھ تشریح ہو جاتی اور طلباء کو اس سے فائدہ ہوتا۔ اسی لیے استاذ محترم کو چاہیے انہیں جو کتاب ملے تو سب سے پہلے وہ پوری کتاب کے صفحات کو گن لیں، اور پھر اس کے بعد اس کو تینوں سماہیوں پر تقسیم کریں، اور پھر ایک اندازے کے مطابق جو چھٹیاں ہیں اُسے نکال دیں، عموماً ہمارے مدارس کے اندر جو پڑھائی کا دورانیہ تقریباً نو مہینے ہوتا ہے، شعبان، رمضان، شوال یہ تین

مہینے تو شامل نہیں ہوتے، شعبان میں امتحان ہوتا ہے، رمضان چھٹی ہے، شوال کے بالکل انتہاء میں عموماً پڑھائی شروع ہوتی ہے، تین ماہ یہ چلے گئے، پھر درمیان میں سہ ماہی، ششماہی امتحان ہوتا ہے، ایک ایک ہفتہ امتحان میں لگ جاتا ہے، اور عموماً دو تین دن پہلے تیاری ہوتی ہے پھر امتحان کے بعد چھٹیں ہوتی ہیں، تین چھٹیاں سہ ماہی کے بعد آ گئیں، تین چھٹیاں ششماہی کے بعد آ جاتی ہیں، اس طرح تقریباً بیس دن گذر جاتے ہیں۔ سال بھر میں ایک محتاط اندازے کے مطابق کم از کم آٹھ سے دس چھٹیں عذر کی وجہ سے ہو جاتی ہیں، تو اب جب یہ ایام نکالے جائیں تو جو پڑھائی کے اسباق بنتے ہیں بمشکل تقریباً ساڑھے سات مہینے بنتے ہیں، تو اب ساڑھے سات ماہ کے عرصہ میں اس نے پوری کتاب کو پڑھانا ہوتا ہے، تو اگر سارے صفحات کو دنوں پر تقسیم کر دیا جائے اور پھر ابتدا سے آخر تک اسی نہج پر چلا جائے تو طلباء کو فائدہ زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں خاص طور پر سابعہ اور دورہ حدیث میں ابتدا میں حجیتِ حدیث، تدوینِ حدیث، اہمیتِ حدیث، ضرورتِ حدیث، انواعِ کتب حدیث کے تعارف پر تفصیلی گفتگو ہوتی ہے۔ ''کتابُ الایمان'' کتابُ الطہارۃ، کتابُ الصلاۃ، پر تفصیلی گفتگو ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات انہی میں ہی ششماہی گزر جاتا ہے، اور جب آگے ڈیڑھ سے دو مہینہ رہتے ہیں تو تیس تیس صفحے عبارت چلتی ہے، تو تشریح بھی نہیں ہو پاتی، ترجمہ بھی نہیں ہو پاتا، تو اس لیے ضرورت اس کی ہے سبق کے دوران اعتدال رکھا جائے، اسی طرح استاذ کے مزاج میں بھی اعتدال ہونا چاہیے، یعنی طلباء کو تنبیہ کرنی ہے تو بھی اعتدال کے ساتھ ہو، افراط و تفریط نہ ہو، قرآنِ کریم نے اس امت کی جو تعریف کی تو وصف ''اعتدال'' کی وجہ سے ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ ❶ یہ امت معتدل امت ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی ہر چیز میں میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حد سے تجاوز کرنے والے انسان پسند نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ❷ تو اس لئے سبق میں میانہ روی ہونی چاہیے اور استاذ کے مزاج میں بھی۔

---

❶ البقرۃ: ۱۴۳ ❷ البقرۃ: ۱۹۰

52......طلباء کوسوال کرنے کا موقع دیں

طالبِ علم کوسوال کرنے کا موقع دینا چاہیے، استاذ نے جب سبق پڑھایا، سبق پڑھانے کے آخری جو پانچ منٹ ہوتے ہیں اس میں طلباء کوموقع دیا جائے کہ کسی کے ذہن میں کوئی سوال ہے تو کرسکتا ہے، کوئی بات نہیں سمجھ آئی تو وہ پوچھ سکتا ہے، تو اس سے طلباء کی جھجک ختم ہوگی، جو بات نہیں سمجھ آئی ہے وہ استاذ سے پوچھ لیں گے۔ استاذ سے افادہ اور استفادے کا تعلق قائم ہو جائے گا، اور بہت سی نئی باتیں ان کے سامنے آ جائیں گی، تو سوال کرنے کا موقع دینا چاہیے، سوال نصف علم ہے، اور جب جواب دے دیا جاتا ہے تو اس علم کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ مدارس کے ماحول میں الحمدللہ ادب بہت زیادہ ہے، تو طلباء عموماً استاذ سے سوال نہیں کرتے، کہیں بے ادبی نہ ہوجائے، استاذ محترم ناراض نہ ہوجائیں، یا بعض اساتذہ خود ہی اجازت نہیں دیتے، تو بہتر یہ ہے کہ اجازت دینی چاہیے، طلباء کو استفادے کا موقع دینا چاہیے، جب اساتذہ سے استفادے کا موقع نہیں ملتا تو وہ غیروں سے کرتے ہیں، اور ان کی روش وطریقے پر پھر چل پڑتے ہیں۔ اس لیے استاذ کو چاہیے وہ موقع دیں طالب علم جو بھی سوال کرے تو اطمینان وپیار محبت کے ساتھ جواب دیں۔ عموماً طلباء جو سوال کرتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں، بعض طالب علم واقعی بات نہیں سمجھے ہوتے وہ سمجھنا چاہتے ہیں، بعض طالب علموں کے ذہن میں کوئی اشکال پیدا ہوا ہوتا ہے، عبارت کے سیاق وسباق سے یا ماضی میں جو انہوں نے پڑھا ہے اس کے حوالے سے، یا دیگر فنون کے حوالے سے اور بعض ذہین طلباء ہوتے ہیں ویسے ہی شرارت کے طور پر یا استاذ کو عاجز یا خاموش کرنے کے لیے سوال کرتے ہیں، ان تینوں کو محبت ونرمی کے ساتھ جواب دیا جائے۔ یعنی استاذ تینوں کے ساتھ رویہ مساوات کا رکھے، اور بالفرض اگر جواب ذہن میں نہیں ہے تو بتلا دے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ اس سوال کا جواب میرے علم میں نہیں ہے، میں مطالعہ کر کے یا کسی صاحب علم سے پوچھ کر آپ کو بتا دوں گا۔ دیکھیں "لا أدری" کہنا کوئی حرج نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ سے چالیس سوال

ہوئے اور وہ چھتیس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ''لاأدری'' میں نہیں جانتا، صرف چار کے جواب دیتے ہیں۔ تو غلط جواب دینے پر عند اللہ پکڑ ہے، جواب نہ دینے پر کوئی گرفت نہیں ہے کہ یہ کہہ دیا جائے مجھے معلوم نہیں، میں پوچھ کے بتادوں گا، اس میں عزت بڑھتی ہے، غلط جواب دینے سے عزت گھٹتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں رسوخ اور اعتماد پیدا ہوگا کہ موصوف بغیر تحقیق کے نہیں بتلاتے، اس سے اعتماد بڑھے گا، اور علم میں بھی اضافہ ہوگا، لوگوں کے دل میں محبت اور عقیدت بھی بڑھے گی، اور نیک نامی میں اضافہ ہوگا:

''فَقَدْ سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ أَرْبَعِينَ مَسْأَلَةً فَقَالَ فِي سِتٍّ وَثَلَاثِينَ :لَا أَدْرِي وَكَثِيرًا مَا يَقُولُ الشَّافِعِيُّ :لَا أَدْرِي وَتَوَقَّفَ كَثِيرٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فِي مَسَائِلَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ :مَنْ أَفْتَى فِي كُلِّ مَا سُئِلَ عَنْهُ فَهُوَ مَجْنُونٌ'' (1)

53: طلباء کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں

یعنی دورِ حاضر میں جو چیز چل رہی ہے، جو مسائل چل رہے ہیں، جس قسم کا ماحول ہے، جو اصطلاحات رائج ہیں، اس سے انہیں واقف کیا جائے۔ مثلاً ایک استاذ اگر فقہ پڑھا رہا ہے، فقہ میں ''کتاب البیوع'' ہے، تو بیوع کے اندر آج کے دور میں مضاربت کی مثالیں کیا ہیں، مشارکت کا طریقہ کیا ہے، اجارہ آج کے دور میں کس طور پر پایا جاتا ہے، مناسبت سے بینکاری کا نظم اور طور طریقہ بیان کیا جائے۔ کفالت کسے کہتے ہیں، اور آیا جائز ہے ناجائز ہے، تکافل کی شرعی حیثیت کیا ہے، انشورنس اور تکافل میں کیا فرق ہے؟ یعنی جو دورِ حاضر کے مسائل ہیں وہ بھی انہیں بتائے جائیں، طالبِ علم یہ نہ سمجھے کہ یہ فقہ وہی ہے جو ہزار سال پرانی ہے، وہی غلاموں اور باندیوں کے مسائل ہیں، آج کے دور میں ان کا اجراء نہیں۔ فقہ اس طرح پڑھائی جائے کہ اس کی تطبیق دورِ حاضر کے مسائل پر کریں کہ وہ سمجھیں آج کے دور میں اس کی ضرورت زیادہ ہے۔ پیش آمدہ نئے نئے

---

(1) البحر المحیط فی أصول الفقه: ج8 ص 238

مسائل ان کو بتائے جائیں، اور اس میں طریقہ کار یہ ہو کہ فقہ پڑھاتے وقت اردو فتاوی اپنے مطالعہ میں رکھیں، مثلاً آپ ''کتاب الطھارۃ'' پڑھا رہے ہیں، قدوری میں یا کنز میں یا ہدایہ میں، تو آپ کوئی بھی ایک اردو فتاوی جو کسی مستند ادارے سے چھپا ہو، مثلاً ''فتاوی حقانیہ''''خیر الفتاوی''''فتاوی بینات'' یا ''فتاوی محمودیہ''، ''فتاوی رشیدیہ''''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' وغیرہ، کسی بھی ایک ادارے کا کوئی فتوی لے لیا جائے اور جو مسائل وہاں پڑھائیں وہ اس میں بھی دیکھ لیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ مسائل جو اس دور میں لوگ پوچھ رہے ہیں، نئے نئے مسائل ہیں وہ آپ کے مطالعہ میں آ جائیں گے، اور جب آپ طلباء کو بتائیں گے تو اس سے استفادہ زیادہ ہوگا۔ اسی طرح ایک استاذ اگر ''مختصر المعانی'' پڑھا رہا، اب اس میں جو اصطلاحات ہیں وہ ان کا خارج میں اجراء کرائے، منطق پڑھا رہا ہے ان مثالوں کا خارج میں اجراء ہو، تو فقہ اور حدیث اور فنون پڑھاتے وقت اگر خارج میں ان کی مثالوں کا اجراء ہوگا اور عصری تقاضوں سے انہیں ہم آہنگ کیا جائے تو اس کی افادیت زیادہ ہوگی۔

54......طلباء کے سامنے علمی گفتگو کی جائے

استاذ محترم کی کوشش یہ ہو کہ وہ جب کلاس میں آئے تو طلباء کے سامنے علمی اور تحقیقی انداز میں گفتگو کرے۔ دیکھیں اصلاحی گفتگو بھی ضروری ہے، بوقتِ ضرورت موقع محل کی مناسبت سے اس پر بھی گفتگو کرے، اب اگر ایک استاذ آتے ہی روزانہ ایک ہی عنوان لے کر اسی پر بات کرے، کوئی علمی اور تحقیقی گفتگو نہ ہو تو اس سے طلباء کو سیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔ تو اس لیے جیسے کہا جاتا ہے کہ ہر ایک سے بات کرو ''کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' ہر ایک سے ان کی استعداد کے مطابق گفتگو ہو۔ علماء میں گفتگو الگ ہونی چاہیے، مفتیوں میں گفتگو کا الگ طریقہ ہے، بالکل ابتدائی طلباء میں گفتگو الگ ہوتی ہے، حفظ کے طلباء میں گفتگو کا الگ طریقہ ہونا چاہیے، اور عوام الناس میں الگ انداز ہوتا ہے۔ یعنی سب کو ایک لاٹھی سے نہ ہنکایا جائے، پڑھے لکھے لوگوں میں ہے بات کا طریقہ الگ ہو،

قرآن کریم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے مخاطب تین قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک سے جو بات کرنی ہے وہ الگ الگ ہے، اگر عوام الناس ہے تو انہیں وعظ کہنا چاہیے اور اگر پڑھے لکھے لوگ ہیں تو حکمت سے بات کرنی چاہیے اور اگر مخالفین ہیں تو اچھے طریقے کے ساتھ ان سے مناظرہ ومباحثہ کیا جائے:

﴿اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ ①

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں۔

آیت مذکورہ میں دعوت کے تین چیزوں کا ذکر ہے۔ اول حکمت۔ دوسرا موعظۃ حسنہ تیسرا اچھے طریقے سے مجادلہ، بعض حضراتِ مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بنا پر ہیں، دعوت بالحکمۃ اہل علم وفہم کے لئے، دعوت بالموعظہ عوام کے لئے، مجادلہ اُن لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں، یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

یعنی ہر مخاطب کو سامنے رکھ کر اس کی استعداد کے مطابق اس سے گفتگو کی جائے، تو علمی و تحقیقی گفتگو اور کتابوں کے تعارف سے طلباء میں شوق پیدا ہوتا ہے، استاذ کی محبت اور قدر ومنزلت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔



---

① النحل: ۱۲۵

55......طلباء کی استعداد کا لحاظ رکھیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ ہم گفتگو جو کر رہے ہوتے ہیں وہ گفتگو ان کی سطح سے بہت بلند ہوتی ہے، اب ایک استاذ نحو میر پڑھا رہا ہے اور اعتراض وقیل قال کر رہا ہے کافیہ سے یا ''شرح جامی'' اب یہ کتابیں اس نے آگے پڑھنی ہیں، آپ ''شرح جامی'' تک کی ساری باتیں اگر اس کو نحو میر میں ہی پڑھا دو، لکھوا دو، رٹا لگا لو تو آگے کیا پڑھے گا؟ جو سلف نے نصاب رکھا وہی ترتیب رکھیے کہ نحو میر میں صرف اُسے اصطلاحات زبانی یاد کرائی جائیں اور اَمثلہ میں اجراء کروایا جائے، ''صرف'' ہے تو اس کو اصطلاحات زبانی یاد کرائی جائیں، صیغوں کی تعلیل اور قوانین از بر کروائے جائیں، اعتراض جواب ''کافیہ'' اور ''شرح جامی'' میں آرہے ہیں۔ اس لیے ہر استاذ پڑھاتے وقت طلباء کی استعداد کا لحاظ رکھے۔ اسی طرح ثانیہ میں اگر ترجمہ پڑھا رہے ہیں تو لفظی ترجمہ پر زور دیا جائے، کوئی صیغہ ہے تو اس کی تعلیل کی جائے، نحوی اعتبار سے اشکال ہو تو اس کی وضاحت کی جائے۔ اب وہاں اگر فنی، علمی، تحقیقی اور فلسفیانہ گفتگو، اعتراض و جوابات اور باطل فرقوں کا تعاقب، شانِ ورود اور تفصیلی مباحث ذکر کی جائیں تو اس سے طلباء کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔ تو بہر حال مختصر یہ کہ جس درجہ کے طلباء ہیں ان کے سامنے گفتگو اُسی انداز میں کی جائے۔ مطالعہ کی ہر بات نہیں بتائی جاتی، مطالعہ تو استاذ کی اپنی استعداد و صلاحیت اور لیاقت کے لیے ہے، طلباء کے سامنے اتنی گفتگو رکھیں جس سے ان کا سبق حل ہو جائے۔ انہیں کتاب سمجھ میں آجائے، بس اتنی کافی ہے، ہر بات بتائی نہیں جاتی کہ جتنا آپ نے مطالعہ کیا ہے وہ سب آکر بتلا دیں، یہ منزل نہیں ہے کہ جو پڑھا ہے وہ سنا دیا جائے، بلکہ اتنا سنایا اور بتایا جائے جتنا ان کے سمجھنے کے لیے کافی ہو۔

56......استاذ محترم اپنی زبان اور کردار کو پاکیزہ بنائے

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی زبان اور اس کا کردار پاکیزہ ہو، زبان پاکیزہ ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ لایعنی گفتگو نہ ہو، بے ہودہ گفتگو نہ ہو، لعن طعن نہ ہو،

فحش گفتگو نہ ہو، اپنے آپ کو ہمیشہ سنجیدگی میں اور باوقار انداز میں رکھے۔ اپنا کردار بھی صاف رکھے، یعنی اس کے کردار پر بھی کوئی انگلی نہ اٹھا سکے، جیسے ایک جملہ معروف ہے کہ اپنے آپ کو تہمت کی جگہوں سے بھی بچاؤ:

"اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ"

اس میں ہمیں مثال ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرما رہے ہیں، بخاری میں روایت ہے کہ آپ کی ایک زوجہ محترمہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے تک باہر نکل کے ان سے ضرورت کی بات کر کے اندر جانے لگے، اتنے میں دو صحابہ وہاں سے گزر رہے تھے، آپ نے انہیں بلا کر کہا کہ یہ میری گھر والی ہے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے دل میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ آپ معاذ اللہ کسی اجنبی عورت سے کوئی گفتگو کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا سُوءًا" (1)

ترجمہ: شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے، اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ پیدا نہ کر دے۔

تمہارے دل میں تو نہیں آئے گی، لیکن شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی۔ تو استاذ محترم بھی اپنے کردار کو پاکیزہ رکھے، اس کا اٹھنا بیٹھنا ایسا نہ ہو کہ کسی کے ذہن میں سوالات جنم لینے لگیں، اگر ابتدائی درجات کے طلباء ہیں کچھ پوچھتے ہیں انہیں بتلا دیا جائے، مسلسل اپنے ساتھ لے کر گھومنا پھرنا، اٹھک بیٹھک ان کے ساتھ رکھنا بہرحال مناسب نہیں ہے، اپنی عزت کی حفاظت کرنی

(1) صحيح البخاري: كتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس وجنوده، رقم الحديث: 3281

چاہیے، اپنے دامن کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے کہ کسی کو یہ موقع ہی نہ ملے کہ وہ ہمارے کردار پر کوئی جملہ کہہ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ①

ترجمہ: آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

میں نے زندگی کا ایک عرصہ تمہارے درمیان گزارا، کیا تم لوگ سمجھ نہیں رکھتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ اپنے کردار سے کی، کہ میرے چالیس سال کا عرصہ تمہارے درمیان گزرا، کیا تم نے میرے کردار میں کوئی کمی دیکھی ہے؟ اس لیے مشرکین مکہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن تھے، انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار پر آج تک کوئی انگلی نہ اٹھا سکا، مشرکین نے یہ تو کہا کہ آپ ساحر ہیں، مجنون ہیں ،لیکن آپ کے کردار پر کوئی حرف نہ کہہ سکے، اگر ایسی معمولی بات بھی ان کے پاس ہوتی تو وہ اس کو پہاڑ بنا کر پیش کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لیے، لیکن ان کی زبانوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صادق اور امین کا لقب جاری تھا۔ معلوم ہوا کردار کا بڑا اثر ہوتا ہے، اس لیے اپنے کردار کو ہمیشہ پاکیزہ رکھا جائے تاکہ کسی کو موقع ہی نہ ملے کہ وہ استاذ کے تقدس کو پامال کرے۔

57......شاگردوں کو اپنی اولاد کا درجہ دیں

جب انسان شاگردوں کو اولاد کا درجہ دیتا ہے تو وہ پھر استاذ کو اپنے والد کا درجہ دیتے ہیں، اور پھر وہ عزت کے ساتھ پیش آتے ہیں، یعنی ہر کام کا حکم دینے سے پہلے تھوڑی دیر سوچنا چاہیے جو میں حکم دے رہا ہوں کیا میں اپنے بیٹے کو اس کا حکم دوں گا؟ جو میں انہیں سزا دے رہا ہوں اگر یہ میرا اپنا بیٹا ہوتا تو کیا میں اس کو یہ سزا دیتا؟ جس طرح انسان اپنی اولاد کے لیے سوچتا ہے، اگر طلباء کے لیے بھی اسی طرح سوچنے لگ جائے تو ان کے دلوں میں استاذ کے لیے بڑی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

① یونس: ۱٦

58......نظم وضبط کی پابندی کریں

جس ادارے میں استاذ پڑھا رہا ہے اس ادارے کا جو نظم وضبط ہے، ادارے کے جو قوانین ہیں، ادارے کے اندر جو باتیں طے ہیں ان سے اپنے آپ کو مستثنیٰ نہیں سمجھنا چاہیے۔ ادارے میں ایک چیز طے ہے کہ فلاں وقت آنا ہے، فلاں وقت جانا ہے، آپ نے گھنٹے میں اتنی دیر پینتالیس یا پچاس منٹ ٹھہرنا ہے، آپ کے گھنٹے کا وقت فلاں وقت شروع ہو رہا ہے، تو ادارے نے جو نظم طے کیا ہے اس کی پابندی کرنی چاہیے۔ ابتدائی درجات ہیں جو انہوں نے نظم طے کیا ہے اس کی پابندی کرنی چاہیے، حاضری خود لینے کا اہتمام کرنا چاہیے، اپنی آمد کا وقت لکھنا چاہیے، یعنی ادارے نے جو بھی قوانین بنائے ہیں اپنے آپ کو اس سے مستثنیٰ نہیں رکھنا چاہیے۔ ان قوانین کی پاسداری کرنی چاہیے، اور طلباء کو ادارے کے قوانین پر عمل کا شوق دلانا چاہیے، اگر اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھیں گے، یا طلباء کے دل میں اُن قوانین کی نفرت ڈالیں گے تو اس سے نقصان آپ کا ذاتی ہوگا، یہ باتیں پھیلتے پھیلتے منتظمین تک پہنچیں گی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ استاذ ادارے کے ساتھ مخلص نہیں، تو پھر ان کی ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گی، اور آئے دن ان کے لئے رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں گے۔

59......طلباء کے سامنے بے تکلفی سے بچیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں بسا اوقات دو استاذ جو معاصر ہیں، اگر وہ آپس میں کوئی گفتگو کر رہے ہیں تو ایسی بے تکلفانہ گفتگو طلباء کے سامنے نہ کریں۔ اب شاگردوں کے دلوں میں جو ان دونوں استاذوں کی ایک ہیبت وعظمت اور وقار ہے تو ان کی اس بے تکلفانہ گفتگو سے اور آپس کی اس طرح کی لایعنی گفتگو سے وہ ختم ہو جائے گا۔ بسا اوقات بعض اساتذہ آپس میں اس طرح کے لطائف سنا رہے ہوتے ہیں کہ وہ نامناسب ہوتے ہیں، شاگردوں کے سامنے اس سے گریز کیا جائے، شاگردوں کے سامنے استاذ اپنے آپ کو بے تکلفی سے بچا کر سنجیدگی اور باوقار انداز میں رہے۔

60......طلباء کے سامنے اپنی مالی مشکلات کا اظہار نہ کریں

ایک استاذ کتنا ہی مالی اعتبار سے کمزور ہو، اس کے اخراجات زیادہ اور آمدنی کم ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ سے رب العزت مانگے، دو رکعت صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ رب العزت کے سامنے گڑگڑائے، رزق کے خزانے تو اللہ رب العزت کے پاس ہیں، ایمان اور تقوی کو اپنی زندگی میں لائے، تو اللہ رب العزت رزق کے دروازے کھول دے گا:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ [1]

ترجمہ: اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کر لیتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لیے ان کی مسلسل بدعملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا۔

ہم آسمان اور زمین کے برکت کے دروازے کھول دیں گے، اللہ تعالی اگر کھڑکی کھول دے تب بھی کافی ہے۔ اگر دروازے کھل جائیں یہ تو نور علی نور ہے، تو اپنی زندگی میں انسان کو سوچنا چاہیے کہیں مجھ سے گناہ ہو کر میں رزق سے محروم نہیں ہو رہا، جیسے حدیث میں آتا ہے انسان گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنے گناہوں پر ندامت واستغفار ہو تو ان شاء اللہ تعالی اس سے رزق میں برکت آئی گی۔ والدین کی خدمت کی جائے، صلہ رحمی کو اپنایا جائے، تلاوت قرآن کو معمول بنایا جائے، گھر میں داخل ہوتے وقت سلام میں پہل کی جائے، یعنی جو اعمال ہیں اسے اپنائیں۔ طلباء کے سامنے اپنی مالی مشکلات نہ رکھیں، اس سے طلباء کی نظر میں استاذ کی عزت کم ہو جاتی ہے، جب استاذ یہ کہے کہ مجھے اتنے پیسوں کی ضرورت ہے، اتنا مجھے ادھار چاہیے، اپنے والد صاحب سے بات کرو، فلاں سے کرو، تو اس سے ان کے استاذ کی جو عزت اور وقار ہے وہ باقی نہیں رہے گا۔ جب انسان دوسرے سے

---

[1] الأعراف: ۹۶

مانگتا ہے تو اس کی نگاہوں میں گر جاتا ہے، اسی لیے تو حدیث میں آتا ہے کہ جب ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ایسا عمل بتایئے کہ اللہ رب العزت بھی مجھ سے محبت کرے اور مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّکَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّکَ النَّاسُ“ ❶

ترجمہ: دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ تعالیٰ تجھ کو دوست رکھے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبتی اختیار کرو تو لوگ بھی تجھ سے محبت کریں گے۔

دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرے گا، دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بے رغبتی اختیار کرو تو لوگ بھی آپ سے محبت کریں گے۔ اس لئے جب بھی کوئی مشکل آئے تو اُس ذات کی طرف رجوع کریں جس کے اَمر سے یہ مشکل اور تنگی آئی ہے، وہ ہی اِسے دور کرسکتا ہے۔

61.....طلباء پر مار پیٹ سے گریز کریں

مار پیٹ اور سختی سے گریز کرنا چاہیے، بعض اساتذہ ایسے ہوتے ہیں جو طلباء پر تشدد کرتے ہیں، بے تحاشہ مارتے ہیں، پیٹتے ہیں، اس سے بچا جائے، طالب علم کو جب بھی سمجھانا ہے پیار اور محبت سے سمجھائیں، اور اگر انہیں قریب بلا کر محبت سے سمجھایا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ انہیں بات جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔ آج کل وہ ماحول نہیں ہے جو آج سے چند سال پہلے تک تھا، آج کل اگر کسی بچے پر سختی کردی جائے تو فوراً ہی اس کے والدین آجاتے ہیں، اور پھر بڑے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں، یا بسا اوقات انسان غصے میں کوئی ایسی سزا دے دیتا ہے جس سے بچے کا بہت بڑا نقصان ہوجاتا ہے، کوئی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے، جسم پر نشان پڑ جاتا ہے، یا زخم پڑ جاتا ہے، جس سے ادارے کے لیے بھی مسائل بنتے ہیں، اور اس کی اپنی ذات کے لیے بھی، بسا اوقات یہ چیز اس کے لیے تدریس چھوڑنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لیے جو بھی طالب علم ہو محبت سے سمجھائیں، اُسے بات نہ سمجھ آئے تو ادارے کے جو ناظمِ تعلیمات

❶ سنن ابن ماجه: كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا، رقم الحديث: 4102

ہیں ان کو آگاہ کیا جائے، پھر بھی اگر بات نہ بنے تو ان کے سر پرست کو آگاہ کریں، اور اس کا ذریعہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ٹیلی فون پر اطلاع دے دی جائے، میسج کر دیا جائے، یا ان سے مل کر انہیں بتا دیا جائے، آپ کا بچہ شوق نہیں رکھتا یا دلچسپی نہیں لیتا، جب آپ یہ ذرائع استعمال کریں گے تو اس کا فائدہ ہوگا، ورنہ کل وہ یہ کہیں گے اگر آپ ہمیں اطلاع دے دیتے ہم اپنے بچے کو خود سمجھا لیتے، آپ نے کیوں یہ سزا دی؟ اس لیے بہتر ہے مار پیٹ سے گریز کیا جائے، محبت اور نرمی کے ساتھ طلباء کو سمجھایا جائے، بچہ پیار کی زبان جلد سمجھتا ہے۔

62......طالب علم کو غلطی پر تنہائی میں سمجھائیں

جب بھی غلطی ہو جائے تو کلاس میں طلباء کے سامنے اُسے ذلیل ورسوا نہ کریں، بلکہ سبق کے بعد تنہائی میں بلا کر انہیں سمجھائیں، یا کلاس میں اپنے قریب بلا کر سمجھائیں، محبت سے سمجھائیں، محبت میں اپنائیت ہوتی ہے، اور محبت کی وجہ سے طالب علم بات کو جلدی سمجھتا ہے، جب استاذ اپنے قریب کرے گا اور اسے تھوڑی سی ترغیب دے دے گا کہ بیٹا آپ اتنے دور سے پڑھنے کے لیے آئے، اور آپ اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہو، تھوڑی سی ترغیب ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا، اور اگر سب کے سامنے رسوا کر دیا، یا تو وہ طالب علم ادارہ چھوڑ دے گا یا ادارہ نہ بھی چھوڑے تو اس استاذ کی عقیدت اور محبت اس کے دل میں نہیں رہے گی، اور پھر وہ اس فن کو محنت سے نہیں پڑھتا، اُس استاذ کے درس میں کلاس میں حاضر نہیں ہوتا، یا حاضر جسماً تو ہو جائے گا لیکن ذہناً وقلباً حاضر نہیں ہوگا۔

63......شاگردوں کے سامنے ٹچ موبائل کے استعمال سے گریز کریں

اگر ایک استاذ کلاس میں آتے ہی موبائل پر لگ جاتا ہے، طلباء سامنے بیٹھے استاذ کی طرف متوجہ ہیں اور استاذ اگر واٹس ایپ، فیس بک، یوٹیوب دیکھ رہا ہے، یا اپنے میسج پڑھ رہا ہے، تو اس سے طلباء پر منفی اثر ہوتا ہے۔ نیز کلاس کا یہ وقت اور طلباء امانت ہیں، اس وقت کو ذاتی اور نجی مصروفیات میں لگانا کہیں مواخذہ کا سبب نہ بن جائے، یہ کلاس اور اس پاکیزہ ماحول کی بے قدری ہے، اور بیسیوں طلباء کے وقت کے ضیاع کا سبب ہے، اسی طرح

دورانِ درس تفصیلی گفتگو سے گریز کیا جائے۔عوام الناس جن کے دلوں میں عالم کے لیے بڑی عقیدت اور محبت ہوتی ہے، اب ان کے سامنے اگر کوئی ہمہ وقت اس میں لگا رہے تو بہت ساری چیزیں نہ دیکھتے ہوئے بھی سامنے آجاتی ہیں۔انسان دیکھ رہا کچھ ہوتا ہے اور سامنے کوئی اور چیز آجاتی ہے، چونکہ وہ اختیاری نہیں ہوتی، آدمی نہیں دیکھنا چاہتا لیکن واٹس ایپ، فیس بک پر وہ چیزیں سامنے آجاتی ہیں، اب اگر کوئی ساتھ بیٹھا ہو تو ان کی نگاہ بھی پڑ جاتی ہیں کہ ہمیں تو درس دیا جاتا ہے نگاہوں کی حفاظت کا، بدنظری سے بچنے کا، لیکن ہم نے خود دیکھا ہے کہ حضرت کی زندگی میں وہ احتیاط نہیں۔تو اس لیے بہتر یہ ہے کہ ٹچ موبائل سے گریز کریں، سادہ موبائل استعمال کریں، اگر ضرورت ہو بھی تو ایک محدود وقت کے لیے مثبت استعمال کریں۔اس کے لیے ایک وقت مقرر ہو تا کہ قیمتی وقت اس میں ضائع نہ ہو، اور کلاس کے اندر تو بہتر ہے یا تو موبائل بند رکھا جائے یا سائلنٹ پر رکھا جائے اور اگر کوئی فون ضروری آجائے تو مختصر بات کر لی جائے۔

64......سفید لباس کا اہتمام کریں

اللہ تعالی نے لباس میں بڑا اثر رکھا ہے، اور لباس کو اللہ رب العزت نے اتارا بھی زینت کے لیے، لباس انسان کی تزئین اور خوبصورتی کے لیے آیا ہے، سفید لباس شریعت میں پسندیدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے پسند فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید لباس پہنا کرو اور اپنے مردوں کو بھی اس میں کفن دیا کرو۔لباس کا اثر انسان کے کردار پر ہوتا ہے۔جب ظاہر صاف ہو تو یہ باطن پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، سفید لباس پہننے سے انسان میل کچیل گندگی سے دور رہتا ہے، اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میرے لباس پر کوئی داغ نہ آئے، میرے کپڑوں پر کوئی دھبہ نہ لگے، تو وہ اپنے آپ کو بہت صاف ستھرا رکھتا ہے، اور جتنا انسان صاف ستھرا رہتا ہے اتنا اس کے باطن میں بھی تاثیر رہتی ہے اور کسی مجلس میں جائے تو وہ باوقار نظر آتا ہے۔جس طرح ہر ایک کے لیے ایک وردی ہے، ایک بچہ اسکول جاتا ہے اس کی بھی وردی ہے، کالج اور یونیورسٹی والوں کی بھی ایک وردی

ہے، پولیس والوں کی وردی ہے، رینجرز والوں کی وردی ہے، فوج والوں کی وردی ہے، نبوی کی اپنی وردی ہے، تو ایک عالم کی بھی وردی ہونی چاہیے، اس کا بھی تو ایک لباس ہونا چاہیے، آج کوئی وکیل اپنے لباس کے بغیر عدالت میں نہیں جاتا، جج جب تک اپنا کوٹ اور لباس نہیں پہنتا وہ کرسی پر آکر نہیں بیٹھتا، تو عالم کے لیے بھی تو ایک لباس ہے، سفید لباس ہو، سر پر عمامہ ہو، مسنون لباس پہن کر آنے سے عزت وتوقیر میں اضافہ ہوتا ہے۔ تدریس ہو یا تقریر ہو، انسان کی سب سے پہلی چیز جس کا اثر مجمع پر پڑتا ہے وہ انسان کے لباس کا ہوتا ہے۔ گفتگو تو بعد میں شروع ہوتی ہے۔ مقتداؤں کا لباس کشادہ ہوتا ہے، بعض حضرات جو تنگ لباس پہنتے ہیں جس سے جسم کی ساخت نظر آتی ہے تو یہ غیر مناسب ہے۔ عموماً قراء ونعت خواں حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ لباس تنگ پہنتے ہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ عالم کا لباس اور وضع قطع سب سے نمایاں ہو، اس میں کشادگی کے ساتھ سادگی ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو نصیحت کی تھی کہ کھلا لباس پہنا کرو عمامہ بڑا باندھا کرو، مسجد میں سب سے پہلے آیا کرو اور آخر میں نکلا کرو، امام صاحب کی بڑے قیمتی نصائح ہیں، اگر آپ پڑھنا چاہیں تو "الأشباہ والنظائر" کے آخر میں وہ نصیحتیں ہیں اور تقریباً پینتیس نصیحتیں میں نے بھی ذکر کی ہیں، "امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام" میں تو بڑی اہم گفتگو ہے اور وہ نصائح بہت ہی مفید ہیں، اگر ممکن ہو ایک دفعہ ان کا ضرور مطالعہ کریں۔

65......اپنی داڑھی اور مونچھوں کا خیال رکھیں

بسا اوقات داڑھی کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، یا اطراف سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، اس کی درستگی کا اہتمام کیا جائے، اسی طرح داڑھی پر تیل لگانے اور کنگی کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ایک استاذ گھر سے موٹر سائیکل، سائیکل پر آتا تو گرد وغبار چہرے اور داڑھی پر لگ جاتا ہے، اس لئے کلاس میں وضو کر کے یا صرف چہرہ دھو کر اور آئینہ دیکھ کر آنا چاہیے۔ اسی طرح مونچھوں کے تراشنے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ بعض احباب کی مونچھیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ ان کے کھانے پینے میں لگ رہی ہوتی ہیں، ایک

مقتدی کی یہ شایانِ شان نہیں ہے۔ انسان کا چہرہ اس کا تعارف ہوتا ہے، چہرہ اور لباس دیکھ کر انسان کی شخصیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

66......ابتدائی درجات میں سبق یاد کروانے کا اہتمام کریں

ابتدائی درجات میں سبق یاد کروائیں، ابتدائی درجات جیسے اعدادیہ، اولی، ثانیہ کا درجہ ہے، یہاں سبق اور اصطلاحات یاد کروائی جائیں، اولیٰ میں ''نحو میر'' ''ارشاد الصرف'' کی اصطلاحات انہیں یاد کروائیں، بچپن میں جو چیز یاد کرائی جائے وہ ساری عمر یاد رہتی ہے، تو یہ اصطلاحات ان کو ساری عمر ان شاء اللہ تعالیٰ یاد رہیں گی۔ بہتر یہ ہے کہ اصطلاحات عربی زبان میں یاد کروائیں۔ عربی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایک اعجاز رکھا ہے کہ وہ اتنی جلدی بھولتی نہیں ہے، اگر صرف نحو کی بنیادی اصطلاحات، منطق، اصول فقہ کی اصطلاحات یاد کروالی جائیں تو یہ علوم عالیہ کے سمجھنے میں نہایت مدد ومعاون ہوں گی۔ اجراء اگر چہ اردو کتابوں میں کروایا جائے تا کہ ان کو بات سمجھ آجائے، لیکن اصطلاحات عربی کتابوں سے یاد کروائی جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ تادیر یاد رہیں گی۔

67......سبق کو آسان کر کے پیش کریں

کامیاب استاذ کی علامت یہ ہے وہ مشکل سے مشکل سبق کو بہت سہل انداز میں پیش کرتا ہے تا کہ تینوں قسم کے طلباء اس کو سمجھ جائیں۔ ذی استعداد، متوسط اور ادنی طلباء۔ ہمارے ہاں یہ کمال سمجھا جاتا ہے کہ سبق کو جتنا مشکل کر کے پڑھایا جائے، جتنا فنی، علمی اصطلاحات زیادہ استعمال کی جائیں، سبق کو جتنا طول دیا جائے، حواشی اور شروح کی جتنی لمبی مباحث ذکر کی جائیں، ہم اس کو اپنے لیے کامیابی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ کامیابی نہیں۔ سبق مختصر اور جامع ہو، سبق پڑھاتے وقت طریقہ یہ ہو کہ اِجمال کے بعد تفصیل بیان ہو، آج کے سبق میں چار باتیں بیان ہوں گی، پہلی بات: صورتِ مسئلہ، دوسری بات: اپنے مسلک کے دلائل، تیسری بات: فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل، چوتھی بات: مسلکِ احناف کی

وجہ ترجیحات۔اس سے سبق مربوط ہوگا اور بات سمجھنا آسان ہوگی۔ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر قسم کا طالب علم اس سبق سے مستفید ہوگا۔

68......بغیر مطالعہ کے سبق نہ پڑھائیں

اگر کسی دن مطالعہ نہیں کر سکے، اپنی کسی مجبوری یا عذر کی وجہ سے تو پھر سبق نہ پڑھائیں، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ استاذ دائیں بائیں گفتگو کر کے اگرچہ وقت مکمل کر لیتا ہے، لیکن اپنی حیثیت اور مقام کو گھٹا لیتا ہے۔ طالب علم بھی سمجھ جاتے ہیں کہ استاذ نے سبق کا مطالعہ نہیں کیا، طالب علم کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، لیکن استاذ کے سبق کو پرکھ لیتا ہے، اپنے استاذ کی صلاحیت کا انداز کر لیتا ہے، وہ دیکھ لیتا ہے آج استاذ مطمئن ہو کر سبق نہیں پڑھا رہے اس لیے جس دن مطالعہ نہیں کیا اس دن کسی اور علمی یا اصلاحی موضوع پر گفتگو کر لی جائے، ماقبل کا سبق سن لیا جائے، طلباء کو سوال و جواب کا موقع دے دیا جائے تاکہ اُن کے سامنے علم کی نئی راہیں کھل جائیں۔ کسی علمی اور تحقیقی کتابوں کا تعارف کرایا جائے، معاشرے کے کسی اہم موضوع پر ان کے سامنے لیکچر دے دیا جائے، اس سے استاذ محترم کا کلاس میں آنا بے فائدہ نہیں ہوگا۔

69......سبق کا مطالعہ تین دفعہ کریں

نمبر ایک فہم کے لیے، نمبر دو تفہیم کے لیے، اور نمبر تین تسہیل کے لیے۔ پہلے سبق کا مطالعہ اس لیے کریں کہ میں خود سمجھوں اور جب خود سمجھ آجائے تو دوسری دفعہ مطالعہ کرے تفہیم یعنی سمجھانے کے لیے، میں طلباء کو کس طرح یہ سبق سمجھاؤں گا، کس طرح یہ بحث بتاؤں گا، تیسری دفعہ پھر اس کا مطالعہ کرے تسہیل کے لئے، کس طرح آسان کر کے میں طلباء کے سامنے اس سبق کو پیش کروں۔ تین دفعہ مطالعہ سے فائدہ یہ ہوگا کہ سبق قابو میں ہوگا۔ اور استاذ جس طرح پڑھانا چاہے گا وہ پڑھا لے گا، بہتر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے اجمال بتا دیا جائے بعد میں تفصیل اور پھر عبارت پر اُسے منطبق کیا جائے۔ ہمارے ہاں ابتداء میں استاذ آکر پوری تقریر کر لیتا ہے، طالب علم سے کہتا ہے عبارت پڑھ، تو وہ پڑھ

لیتا ہے، تو انہیں سمجھ نہیں آتا صورتِ مسئلہ کہاں سے کہاں تک ہے؟ دلیل کہاں سے شروع ہوئی کہاں ختم ہوئی؟ اس میں ائمہ کے دلائل کہاں کہاں ہیں، اور کہاں سے کس کی دلیل شروع ہورہی ہے، دلیل نقلی کونسی ہے اور عقلی کونسی، وجہ ترجیحات کہاں ہیں، جوابات کہاں ہیں؟ اس کا انہیں پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے استاذ پہلے اجمال بتائے پھر اس کی وضاحت کرنے کے بعد عبارت پر اس کو فٹ کرے کہ یہاں سے یہاں تک صورتِ مسئلہ ہے، یہاں سے دلائل ہیں، یہاں سے جوابات ہیں، یہاں سے وجہ ترجیحات ہیں، یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے، یہ ایک مفید اور علمی بات ہے، یہ بات سے بات نکلی ہے، یہ دفع دخلِ مقدر ہے، تو جب استاذ اس طرح سبق پڑھائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طالب علم سبق کو سمجھ سکے گا۔

70...... سمعی وبصری آلات کو استعمال کریں

اس کا مطلب یہ ہے آج کے دور میں سبق پڑھاتے ہوئے استاذ کو بلیک بورڈ استعمال کرنا چاہیے، خصوصاً ابتدائی درجات میں، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم سن بھی رہا ہوتا ہے، دیکھ بھی رہا ہوتا ہے۔ اب بلیک بورڈ پر اگر وہ چیز لکھی ہے وہ اصطلاح ومثال تو وہ آنکھوں سے دیکھ بھی رہا ہے اور کانوں سے سن بھی رہا ہے، تو وہ جلدی اُسے اخذ کر لیتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ صرف کانوں سے سنیں، یا آنکھوں سے دیکھیں، ایک یہ کہ اس میں انسان کے دونوں آلات استعمال ہوں۔ اسی طرح آج کل جو پروجیکٹر کے ذریعے سے بعض چیزوں کو پڑھایا جاتا ہے، بعض مضامین، بعض تاریخی باتیں، یا کتابوں کا تعارف، یہ بھی ایک اچھی ترتیب ہے۔ اس سے سبق جلدی سمجھ آتا ہے اور خلاصہ بھی محفوظ رہتا ہے، کیونکہ وہ تصویر کی صورت میں ہوتا تو دل ودماغ پر نقش ہو جاتا ہے، اس لیے ان آلات کو استعمال کیا جائے، خصوصاً متوسطہ، اولیٰ اور ثانیہ میں، اگر اصطلاحات پڑھائی جائیں، یا ان میں تعلیل کروائی جائے، یا ترکیب کی جائے، یا کوئی اور مفید چیز سمجھائی جائے، تب بھی ان آلات کو استعمال کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ زیادہ ہوگا۔

71......ابتدائی درجات میں سبق لکھوائیں

ابتدائی درجات جیسے متوسطہ، اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ وغیرہ میں استاذ محترم اس بات کی کوشش کریں کہ سبق لکھوائیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اساتذہ سبق کی تقریر کر کے چلے جاتے ہیں، چونکہ طالب علم کا پہلا یا دوسرا سال ہوتا ہے، بعض طلباء حفظ سے آئے ہوتے ہیں، اور بعض طلباء اسکول سے آئے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ بات کو نہیں سمجھ پاتے، فن بھی نیا ہوتا ہے، کتابیں بھی عموماً فارسی کی یا عربی کی ہوتی ہیں، ماحول بھی اُن کے لئے نامانوس ہوتا ہے، اس لئے سبق کو کما حقہ سمجھ نہیں پاتے۔ استاذ اگر سبق لکھوائے تو اگلے دن اُن کے لیے سنانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے استاذ محترم کو چاہیے کہ تعریف اور مثال یاد کروائے اور خلاصہ لکھوالے۔ زبانی اگر آدھا گھنٹہ بیس منٹ تقریر کر کے استاذ چلا گیا تو طالب علم واہ واہ تو کر دیں گے، خوش بھی ہو جائیں گے، لیکن بہرحال سبق صحیح معنوں میں انہیں سمجھ نہیں آیا ہوگا۔

72......ابتدائی درجات میں سبق خود سنیں

ابتدائی درجات میں استاذ یہ کوشش کریں کہ سبق خود سنیں، اس لئے کہ یہ بنیاد ہے، اگر یہ مضبوط ہوگی تو آگے طالب علم کے لیے پڑھنا آسان ہوگا، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بعض دفعہ استاذ محترم ایک ذی استعداد طالب علم سے سبق سن لیتا ہے اور پھر ان کے ذمہ لگا لیتا ہے کہ آپ بقیہ طلباء سے سنیں، اب وہ طالب علم استاذ کو سنانے کے بعد بقیہ طلباء کبھی اس کو نہیں سنا پاتے، یا نہیں سناتے، صرف ویسے ہی ہل رہے ہوتے، استاذ سمجھ رہا ہے کہ سبق سنا رہے ہیں، اب طلباء ایک دوسری کی رعایت رکھتے ہیں، استاذ سے کہتے ہیں انہیں سبق یاد ہے۔ اب جب امتحان میں نتیجہ آتا ہے تو ان کے نمبرات بہت کم ہوتے ہیں، انہیں اصطلاحات سے واقفیت نہیں ہوتی، تو وجہ کیا بنی استاذ نے خود سبق نہیں سنا۔ یہ ضروری نہیں کہ استاذ تمام طلباء سے خود سنے بلکہ بغیر تعیین کے کلاس میں چار سے پانچ طلباء سے سن لے، تو تمام طلباء پر رعب رہے گا اور ہر ایک سبق کی تیاری کر کے آئے گا۔ بہرحال استاذ

محترم سبق خود سننے کا اہتمام کریں، تو اس کے اچھے نتائج امتحانات میں اور مستقبل میں اُن کے سامنے آئیں گے۔

73......ابتدائی درجات میں کوشش کریں سب سے سبق سنیں

عموماً متوسطہ، اولیٰ، ثانیہ میں طلباء پندرہ سے بیس ہوتے ہیں، اب بیس طلباء سے سبق سننا کوئی مشکل نہیں، اور یہ سبق سابعہ یا دورے کا نہیں ہے جو بہت تفصیلی ہو، بلکہ یہ تو چار سے پانچ سطر کا سبق ہوتا ہے، چند ایک تعریفات، چند ایک مثالیں ہوتی ہیں، اگر استاذ محترم سب سے سن لے گا تو سب سبق یاد کرنے کا اہتمام کریں گے، سب سے یوں بھی سنا جاسکتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے سب سے سنیں یا نمبر دولاعلی التعین کسی ایک سے سن لیں، پھر دوسری صف میں دوسرے سے تاکہ ہر ایک یہ سمجھے گا کہ استاذ کہیں مجھ سے نہ سن لے تو وہ سبق یاد کرنے کا اہتمام کرے۔ ہمارے ہاں پڑھایا بہت اچھا جاتا ہے وصول نہیں کیا جاتا۔ استاذ محترم خود تو بڑی محنت کر کے آتے ہیں وہ اس کے لیے اچھی شروح وحواشی، تقریرات اور افادات کا مطالعہ کرے کے آتے ہیں، لیکن وصول نہیں کرتے اس لیے استعدادیں نہیں بنتی۔ استعداد زیادہ تقریر کرنے سے نہیں بنتی، استعداد سبق کو کما حقہ ان سے وصول کرنے سے بنتی ہے۔ استاذ مختصر پڑھائے مگر جامع پڑھائے اور سبق اگلے دن اُن سے وصول کرے، تو اس کے اچھے نتائج اُس کے سامنے آئیں گے۔ ابتدائی درجات میں انہیں اپنے نفع نقصان کا پتہ نہیں ہوتا، وہ محض اپنے وقت گزاری کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں، تو جب سننے کا اہتمام ہوگا تو ان شاء اللہ فراغت کے بعد یہی طلباء استاذ کو دعائیں دیں گے کہ انہوں نے ابتدائی درجات میں ہم سے سنا اور آج تک ہمیں وہ اصطلاحات یاد ہیں۔

74......سبق کے دوران عبارت کی تقطیع کریں

ہر ہر عبارت پر سبق کی تقریر کو فٹ کریں، عبارت کی تقطیع اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً استاذ اگر کتاب پڑھا رہا ہے "قدوری" یا "کنز" "ہدایہ" وغیرہ، تو استاذ پڑھاتے

وقت پہلے زبانی بتائے، پھر اس کو عبارت پر فٹ کرے، یہاں سے یہاں تک صورتِ مسئلہ ہے، یہاں سے دلائل اور یہاں سے دیگر فقہاء کے دلائل اور اس مقام سے جواب اور یہاں سے وجہ ترجیح کا بیان ہے، اس طرح جب استاذ سبق پڑھائے گا تو طالب علم کو سمجھ آئے گا۔ ہمارے ہاں کیا ہوتا ہے؟ ہم سبق پڑھاتے وقت ابتدا میں تفصیلی تقریر کر دیتے ہیں، اب وہ آدھا پونا گھنٹہ تقریر ہوئی اور جب عبارت پر تطبیق کی باری آتی ہے تو طالب علم سے کہتے ہیں عبارت پڑھو، طالب علم عبارت پڑھتا ہے یا تو ترجمہ بھی نہیں کیا جاتا، یا ترجمہ بھی بامحاورہ کر دیا جاتا ہے، نہیں معلوم مسئلہ کہاں، صورتِ مسئلہ کہاں، دلائل کہاں، جوابات کہاں، جملہ معترضہ کہاں، وجہ ترجیح کہاں، دفعہ دخلِ مقدر کہاں، اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی، اس لیے طالب علم استاذ کی تقریر تو سمجھ جاتا ہے کتاب نہیں سمجھتا۔ اصل چیز تقریر سمجھنا نہیں وہ تو شروحات میں موجود ہے، اصل چیز کتاب کو سمجھنا ہے، اور کتاب فہمی تب ہوگی جب تقریر مختصر ہوگی، اور عبارت میں اس تقریر کی تطبیق ہوگی۔ پھر ہمارے ہاں ایک چیز کیا ہوتی ہے کہ جب استاذ تقریر کرتا ہے تو وہ کہتا ہے بات سے بات نکل گئی، اب وہ بات سے بات نکلتی ہے، کبھی دائیں کبھی بائیں طرف، کبھی اصلاحی کبھی سیاسی گفتگو، درمیان میں لطیفے، چٹکلے، اس طرح بات بہت دور نکل جاتی ہے۔ پھر گھنٹے کے آخر میں پانچ سات منٹ میں عبارت پڑھی اور چلے گئے، کوئی پتہ نہیں چلا استاذ کی تقریر کا کہاں سے ربط ہے؟ اور وہ سبق میں کہاں فٹ ہو رہی ہے، کہاں نہیں ہو رہی؟ طالب علم دیکھتا ہے تقریر کیا تھی سبق کیا ہے، کچھ سمجھ نہیں آتا، تو بہرحال ایک گزارش یہ کہ عبارت کی تقطبیق کی جائے، جو بات پہلے زبانی بتائی جائے پھر عبارت میں اُسے فٹ کیا جائے۔

75...... ہر مسئلہ کی عبارت جدا جدا کریں

اس کا مطلب یہ ہے آپ اگر سبق پڑھا رہے ہیں اور آپ کا سبق دس سطروں میں ہے، تو آپ بتائیں آج کے سبق میں چھ مسائل یا چھ باتیں بیان ہوں گے، اور ہر ہر مسئلہ کی

عبارت جہاں سے شروع ہورہی ہے اس کی وضاحت کریں اور جہاں ختم ہورہی ہے وہ بتلائیں، پھر یہاں سے دوسرا مسئلہ ہے، یہاں سے تیسرا مسئلہ ہے، تو جب ہر مسئلہ کی عبارت الگ الگ ہوگی اور ماقبل کے ساتھ اس بات کا ربط ہوگا تو طالب علم کو بات سمجھ آئے گی۔

76......مطالعہ کی ہر بات نہ بتائیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ استاذ محترم نے رات کو سبق کے لیے مطالعہ کیا، عموماً اساتذہ دو سے تین شروحات دیکھتے ہیں، حواشی، تعلیقات، افادات اور تقریرات بھی دیکھتے ہیں، تو اب اس کے لیے کافی مطالعہ کرتے ہیں، لیکن جو سامنے طالب علم بیٹھے ہیں ان کی اتنی استعداد اور صلاحیت نہیں ہوتی، اب طالب علم ہیں ثانیہ کا ''ہدایۃ النحو'' کا ہے، اب استاذ اگر انہیں ''کافیہ'' کی باتیں یا ''شرح جامی'' کی باتیں یا ''سوال باصولی، کابلی اور تحریر سمبٹ'' بتائے گا تو ان کے کچھ پلے نہیں پڑے گا، تو یہ اپنا بھی وقت کا ضیاع ہے اور اُن کا بھی، ''كَلِّمُو النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' تو اتنی بات کی جائے جو بات ان کو سمجھ آئے، اور جو کتاب کے سمجھنے میں معاون اور مفید ہو، مطالعہ کی ہر بات نہیں بتائی جاتی، یہ جتنا استفادہ کیا ہے وہ اپنے نفع کے لیے اور اپنی استعداد کے لیے، یہ نہیں جو پڑھا ہے وہ سب اگل دے، بلکہ انہیں اتنا بتائے جتنا وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔

77......فقہ اور حدیث کے درس میں جدید مسائل بھی ساتھ ساتھ بتائیں

فقہ اور حدیث کے درس میں جب مسائل پڑھائے جارہے ہیں جیسے آج کے دور میں ''کتاب البیوع'' ہے، تو بیوع کے جو مسائل مضاربت، مشارکت، اجارہ، خیارِ رؤیت، خیارِ عیب کے ان کو دورِ حاضر کے مسائل پر فٹ کیا جائے، اور ان کی تطبیق کی جائے۔ اس طرح مناسبت سے دورِ حاضر میں کون کون سے مسئلے پوچھے جاتے ہیں وہ بتائیں۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے اگر آپ فقہ میں ''کتاب الوضوء'' پڑھا رہا ہیں تو وہی بحث اردو فتاوی میں بھی اپنے مطالعہ میں رکھیں، اور کسی ادارے کے فتاوی رکھیں، ادارے کے فتاوی عموماً مستند ہوتے ہیں، ان میں شخصی آراء اور تفردات نہیں ہوتے، چونکہ وہ مختلف علاقوں کے لوگ پوچھ رہے ہوتے

ہیں تو وہ فرضی مسائل بھی نہیں ہوتے، وہ مسائل ہوتے ہیں جن کا وقوع ہوا ہے، اور دورِ حاضر کے درپیش مسائل ہوتے ہیں، اس لیے فقہ کے ساتھ فتاوی بھی مطالعہ میں رکھیں، تو طالب علموں کو زیادہ فائدہ ہوگا کہ یہ وہ مسائل ہیں جو آج کے معاشرے میں پیش آ رہے ہیں، استاذ کو بھی فائدہ ہوگا کہ اُن کے مطالعہ میں وسعت آئے گی اور عوام الناس کو بتلاتے وقت سہولت ہوگی۔ اسی طرح حدیث کے درس کے دوران جو مباحث آتی ہیں ان کو بھی دورِ حاضر پر فٹ کر کے ان کی تطبیق کی جائے، تو طالب علم سمجھے گا کہ یہ محض پرانی اور نصابی باتیں نہیں ہیں، بلکہ آج کے دور میں وقوع پزیر ہیں۔ درسِ حدیث میں خاص توجہ فہمِ حدیث، استنباطِ مسائل وفوائد اور نکات پر دیں، حدیث کو محدثین کے طرز پر پڑھائیں۔

78......اساتذہ اپنے عمل پر خوب محنت کریں

اس کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم پر ایک اچھا اثر استاذ کے عمل کا ہوتا ہے، "العلم بلا عمل کشجر بلا ثمر" علم جب بغیر عمل کے ہوتا ہے اس کی مثال تو وہ درخت ہے جس پر پھل نہ ہوں۔ علم بغیر عمل کے ہو اس کی مثال ایسی نہر ہے جس میں پانی نہ ہو، نہر ہو پانی نہ ہو تو نہر کا فائدہ نہیں، علم ہو اور عمل نہ ہو تو اس کا فائدہ نہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی 463ھ) کی کتاب ہے "اقتضاء العلم العمل" یعنی علم پر عمل کا تقاضا۔ علم کس طرح تقاضا کرتا ہے عمل کا، انہوں نے اس میں سلف کے اقوال بالسند ذکر کیے ہیں، جو نہایت مفید ہیں۔ "من عمل بما علم ورّثه الله العلم مالم يعلم" جو عمل کرتا ہے اس پر جو وہ جانتا ہے، تو اللہ رب العزت اُسے ایسے علم کا وارث بناتا ہے جو وہ نہیں جانتا، یعنی اللہ تعالیٰ علم وہابی عطا کرتا ہے۔ علم لدنی اللہ تعالی انسان کو عطاء کرتا ہے اور پھر استاذ کے درس سے طلباء کو فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور پھر وہ نئے نئے فوائد ونکات بیان کرتا ہے جو عموماً کتابوں میں نہیں ملتے، تو اللہ تعالی استعداد اور صلاحیت میں عمل کی وجہ سے خوب اضافہ فرماتے ہیں۔ عمل کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ علم یاد رہتا ہے، ورنہ کوئی بات پڑھ لی جائے انسان بھول جاتا ہے، جب عمل کر لیتا ہے تو وہ بات پختہ ہو کر محفوظ ہو جاتی ہے، اور عمل کا اثر عوام پر بھی بہت پڑتا

ہے، وہ عمل سے ہمارے علم کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اگر ہمارا عمل ہمارے علم کے مطابق ہے تو کہتے ہیں بڑا عالم ہے، اچھا عالم ہے، اور اگر عمل علم کے مطابق نہیں تو وہ کہتے ہیں اس نے کچھ نہیں پڑھا، اگر چہ ہمیں ساری مباحث زبانی یاد ہو۔ معلوم ہوا علم نام معلومات کا نہیں ہے ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ ❶ علم نام خشیت کا ہے، جتنا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا اتنا علم میں نکھار آئے گا، پھر اللہ تعالیٰ طلباء کے دل میں عمل کی وجہ سے استاذ محترم کی محبت ڈال دیتے ہیں، عوام الناس کے دل بھی اُن کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، اور دین کی بات میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، اگر سامعین کے دل میں عالم کی عزت پہلے سے نہیں ہے وہ کتنی اچھی بات کیوں نہ کہے وہ اثر نہیں رکھتی، اور یہ محبت اور تاثیر عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ طلباء کے دل میں اگر استاذ کی عزت واحترام اور عقیدت ومحبت پہلے سے نہ ہوتو استاذ کتنی ہی مفید بات کیوں نہ کہے تو وہ ان پر اثر نہیں ہوتی، اور عزت پیدا ہوتی ہے عمل سے۔ مقبولیت اور عزت تقوی سے ہے، عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دلوں میں محبتیں ڈال دیتا ہے، پھر کوئی مختصر بات بھی کہیں تو اس میں تاثیر زیادہ ہوتی ہے، اس لیے استاذ محترم اپنی ظاہری زیب وزینت سے زیادہ اپنے باطن پر توجہ دے اور عمل کا اہتمام کرے۔

79......تمام طلباء کو اپنے قریب رکھیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ اختصاص نہیں ہونا چاہیے، ایسا ہوتا ہے کہ ساری توجہ صرف ایک طالب علم پر ہوتی ہے، استاذ سبق پڑھا رہے ہیں اور مکمل توجہ ایک ہی طالب علم پر رکھی ہے، سبق سن رہے ہیں تو اُسی طالب علم سے، کوئی بات بتلا رہے ہیں تو اُس کو مخاطب کر رہے ہیں، یہ اندازِ تدریس نافع ومقبول نہیں ہے۔ استاذ محترم کے لیے سارے طلباء مساوی اور برابر ہونے چاہیے، یہ سب ان کے لیے بمنزلہ اولاد کے ہیں، سب ان سے پڑھنے کے لیے آئے ہیں، یہ ترجیح بلا مرجح نہیں ہونی چاہیے، البتہ اگر وہ طالب علم ذی استعداد، باصلاحیت ہو اور سبق توجہ سے سنتا ہے تو ٹھیک ہے، تھوڑی توجہ زیادہ ہو، لیکن دیگر کو

❶ فاطر: 28

بالکل نظر انداز نہ کیا جائے۔اسی طرح کسی خاص طالب علم کو اپنے قریب کرنا یہ باعث تشویش ہوتا ہے اور مختلف ذہنوں میں مختلف سوالات اُبھرتے ہیں اور دوسروں کو بات کا موقع ملتا ہے، اس لیے اپنے دامن کو پاک رکھیں اور اپنی عزت وآبرو کی خود حفاظت کریں، اور کسی کو بات کرنے کا موقع نہ دیں۔

80......احکام شریعت کی مکمل پابندی کریں

استاذ محترم شریعت کے جملہ احکامات کی مکمل پابندی کرے۔دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سو فیصد پہلے عمل تھا پھر آپ نے اس کی دعوت دی، تو اللہ رب العزت نے اس میں تاثیر ڈال دی۔آج اگر ہم طلباء سے کہیں گے سچ بولو اور خدانخواستہ استاذ کی اپنی زندگی میں سچائی نہ ہو، ہم ان سے کہیں کہ بااخلاق رہو اور اپنی زندگی میں اخلاق نادارد۔سنجیدگی کا درس دیں اور ہم خود سنجیدہ نہ ہوں۔ہم عبادت کے اہتمام کا حکم دیں اور خود ہم اس میں سستی کریں۔تلاوت کا درس دیں اور خود اس کا اہتمام نہ کریں۔انہیں منع کریں کہ فیس بک، وٹس ایپ کے کثرتِ استعمال سے اور خود ان کے سامنے استعمال کریں، تو اس سے بات میں تاثیر نہیں رہتی، اس لیے بہتر ہے استاذِ محترم احکامِ شریعت کی مکمل پابندی کرے، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ وہ جس بات کا حکم دیں گے تو اللہ تعالیٰ طلباء کے دل میں محبت ڈال دے گا اور وہ عمل میں رغبت شروع کر دیں گے۔خود عمل کریں، آپ کے کردار سے دعوت پھیلی گی اور یہ سکوتی دعوت نطق سے زیادہ تاثیر رکھے گی۔

81......اپنی باطنی اصلاح کے لیے کسی اللہ والے سے تعلق جوڑیں

بعثت کے جو مقاصدِ اربعہ ہیں ان میں ایک مقصد تزکیہ نفس ہے، تزکیۂ نفس کے لیے کسی بھی اللہ والے سے تعلق جوڑنا چاہیے، اور بہتر ہے ان سے تعلق جوڑیں جن سے انسان استفادہ زیادہ کر سکے، اپنے اساتذہ میں یا اہلِ علم میں جو زیادہ قریب ہوں اُن سے استفادہ کرتے رہیں، اور اپنے روحانی امراض انہیں بتا کر ان سے علاج کروائیں، ایک ہے ظاہر اور ایک ہے باطن، انسان کے علم میں نکھار باطن کے تزکیہ سے آتا ہے، اور باطنی

بیماریوں میں ام الامراض ''تکبر'' ہے، عموماً انسان کے پاس جب علم آتا ہے تو تکبر بھی آجاتا ہے، علم اپنے ساتھ عجب لاتا ہے۔ عالم کے لیے اچھا وصف عاجزی ہے، تکبر آنے سے وہ معاشرے سے کٹ جاتا ہے اور اس سے استفادہ کرنے والے لوگ محدود ہوجاتے ہیں، اور جو متواضع ہوکر ہورہتا ہے اس سے استفادے والے لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں محبتیں ڈال دیتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے جتنا علم بڑھے اتنی عاجزی بھی بڑھے، اور انسان سے حسد کینہ دور ہوجائے، اس میں معاف کرنے کا جذبہ بڑھ جائے۔ جو انسان عظیم ہوتا ہے وہ مظلوم ہوتا ہے، اس لیے ہر عظیم آدمی پر لوگ نقطہ چینیاں زیادہ کرتے ہیں، اعتراضات زیادہ کرتے ہیں، ہر بڑے کو دیکھو ان کے حاسدین کتنے تھے، انبیاء علیہم السلام سب سے بڑے عظیم لوگ ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام پر کتنی آزمائشیں آئیں، اپنوں اور بیگانوں سے کتنی اذیتیں ملتیں ہیں، کیسے جملے اور طعنے کسے جاتے ہیں، ان کے بعد محدثین کی زندگی دیکھیں، فقہاء کی زندگی دیکھیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی زندگی دیکھیں کہ کتنی آپ پر جرحیں کی گئی؟ حاسدین نے کس کس قسم کے طعن آپ پر کیے، اگر آپ ''تاریخ بغداد'' کی تیرہویں جلد پڑھ لیں تو اندازہ ہوگا کہ کس طرح کذاب، وضاع اور مطعون راویوں کے ذریعے آپ کو نقد وجرح کا نشانہ بنایا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ عزتیں عطا کرتا ہے تو حاسدین بڑھ جاتے ہیں۔ جتنے حاسدین بڑھیں اتنی تواضع، انکساری اور عفو درگزر بڑھنا چاہیے۔ اگر وہ ان کے پیچھے لگ گیا تو اس کے آگے بڑھنے کی رفتار بہت کم ہوجائے گی، آپ تیزی کے ساتھ جارہے ہیں، دائیں بائیں ساتھیوں سے ملتے رہے اور ہر ایک کو وقت دیتے رہے اُن کی سن کر جواب دیتے رہے اور اُن سے الجھتے رہیں تو آپ کے تیزی سے آگے بڑھنے کا سفر متاثر ہوجائے گا۔ آپ آگے بڑھتے رہیں کل یہی لوگ آپ سے ملاقات کے لئے وقت لیں گے۔ اپنی اصلاح کے لیے کسی اپنے ایک استاذ یا اللہ والے سے تعلق رکھیں اور اس کے مشورے پر چلیں، کسی ایک کا مشورہ ضرور ہونا چاہیے، حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے اگر ضابطہ کا کوئی بڑا نہ ہو تو اپنے

معاصرین میں سے کسی سے رائے لیں اور اس پر عمل کریں، تو کسی کے مشورے پر چلنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا، اور مشورے پر زندگی گزارنے والا ہمیشہ کامیاب رہتا ہے اور مشاورت پر چلنے سے اللہ تعالی مستقبل میں راستے کھول دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تزکیہ نفس کے لئے اللہ والے سے ہو، دیکھیں علامہ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ علم کے پہاڑ تھے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ جبالِ علم ہیں، لیکن حضرت مہاجر مکی مدنی رحمہ اللہ سے ان کا اصلاحی تعلق تھا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا اصلاحی تعلق حضرت مہاجر مکی رحمہ اللہ سے رہا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ استفادہ کرتے رہے علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے، عموماً جتنے بھی اہل علم حضرات گذریں ہیں، ان کا تعلق کسی نہ کسی اللہ والے سے تھا، حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبد الماجد دریا آدی رحمہ اللہ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ یہ سب حضرات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت رہے۔ تو ہمارے اکابر جتنے بھی علماء آئے ان کا تزکیہ نفس کے لیے کسی نہ کسی سے تعلق رہا، ہر ایک اپنی اصلاح کے لیے کسی اللہ والے سے، کسی عالم سے اپنا تعلق رکھتے تھے۔ بہتر ہے اس عالم سے تعلق رکھیں جو عالم باعمل ہو، دیکھیں اگر وہ ضابطہ کا عالم نہیں ہے تو اس کی عظمت دل میں نہیں ہوگی، استفادہ عظمت سے ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں باتیں ہوں یعنی علم وعمل۔ خدانخواستہ اگر وہ علم میں کم ہے تو پھر ان کو خود ہی حقیر سمجھ رہا ہوگا کہ میرا علم اُن سے زیادہ ہے تو پھر استفادہ نہیں ہو سکے گا، اگر چہ یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو عالم اور دوسروں کو کمتر سمجھے۔ استفادے کے دو طریقے ہیں، پہلا طریقہ ہے خط وکتابت، یہ سب سے بہتر ہے، بعض چیزیں انسان زبان سے نہیں کہہ سکتا، وہ خط لکھ کر یا تحریر کے ذریعہ پوچھ سکتا ہے، پھر شیخ وہ جواب اسی تحریر کی پشت پر انہیں لکھ دیں، یہی طریقہ سلف میں رہا ہے کہ تزکیہ میں خط وکتابت ان کا معمول تھا، یہ سب سے بہتر طریقہ ہے۔ آج کے دور میں دوسرا طریقہ موبائل کے ذریعے گفتگو کا ہے، یا میسج کے ذریعے۔ بہتر یہ ہے کہ جن سے اصلاحی تعلق جوڑا جائے ان کے کسی وعظ میں ضرور شرکت کریں، جن کے

ساتھ آپ کا تعلق ہے، اُن کے وعظ ونصیحت، خصوصی مجلس، مجلس ذکر وغیرہ میں شرکت کریں، اس سے انسان میں عمل کا جذبہ بڑھتا ہے۔ ہر چیز کو چارجنگ اور غذا کی ضرورت ہے، موبائل کو بھی دو دن کے بعد چارجنگ کی ضرورت ہوتی ہے، تو تزکیۂ نفس کے لیے علوم وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ان کے درس میں حاضری ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے وہ باتیں کہلوادیں گے جو آپ کی ضرورت ہوگی، تو شیخ کے دل پر اللہ رب العزت وہ باتیں القاء کردے گا جس کی سالک کو ضرورت ہے۔

82......طلباء کی اصلاح کا کامل جذبہ دل میں ہو

استاذ محترم کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم کی اصلاح کا جذبہ ان کے دل میں ہو، یعنی مقصد صرف یہ نہ ہو کہ میری ذمہ داری صرف کتاب پڑھانا ہے اور پڑھا کے چلے گئے، بلکہ ایک اچھا انسان تیار کر کے معاشرے کو فراہم کرنا ہے، اور اچھا وہ ہوگا جس میں علم بھی ہو ساتھ عمل بھی ہو، تو جب استاذ محترم کی سب پر نگاہ ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ سب سے کام لے گا۔ اور استاذ کو پتہ چل جاتا ہے کس طالب علم میں کیا وصف ہے؟ یعنی قراءت کے اعتبار سے کون محنت کرسکتا ہے؟ اچھا واعظ کون بن سکتا ہے، کون تصنیف کی لائن میں چل سکتا ہے؟ کون صرف نحو میں؟ کون تدریس میں اور کس کی لائن تبلیغ کی ہے اور کون جہاد کے میدان میں آگے بڑھ سکتا ہے، کون سیاست کے میدان میں آگے جاسکتا ہے، اور کون اچھا مبلغ بن سکتا ہے۔ تو استاذ محترم ہر ایک کی اصلاح اس کے مطابق کریں۔ ہر ایک کی رہنمائی اس کی ذاتی دلچسپی والے شعبے میں کی جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب وہ آگے بڑھے گا تو اس شعبے میں خوب ترقی کرے گا، اور اساتذہ اور ادارے کی نیک نامی کا ذریعہ بنے گا۔

83......کسی طالب علم سے مایوس نہ ہوں

طالب علم چاہے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، بسا اوقات جن میں صلاحیتیں نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ ان سے دین کے بہت بڑے بڑے کام لے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلیت شرط نہیں بلکہ قبولیت شرط ہے، اللہ تعالیٰ جب قبول کرتا ہے تو صلاحیتیں بھی دے دیتا ہے اور جب قبول نہیں کرتا تو صلاحیتیں دے کر بھی چھین لیتا ہے،

وہ قادر مطلق ذات ہے۔ اگر کوئی طالب علم کمزور بھی ہو اس سے مایوس نہ ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ اگر وہ آٹھ سال پڑھے گا عقائد ٹھیک ہو جائیں گے، نماز کے اندر رغبت ہوگی، نماز کا پابند ہو جائے گا، سلف کے ساتھ محبت ہوگی، اہل علم کے ساتھ محبت ہوگی، دین کا دفاع کرے گا، اپنی اولاد کو دین کی طرف لائے گا، معاشرے کے لیے ایک اچھا فرد ہوگا، جس میدان میں بھی جائے گا تو دین کی بات آگے پہنچائے گا، اس لیے کسی اعتبار سے انسان اس سے مایوس نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی علم کا دروازہ کھول دے گا، اور دیکھا یہی گیا ہے کہ جتنے کمزور طلباء رہے ہیں اللہ رب العزت نے ان سے زیادہ کام لیا ہے، اور جو باصلاحیت ہوتے تھے تکبر کی وجہ سے وہ عموماً ضائع ہو جاتے ہیں، دین کا کوئی بڑا کام نہیں کر پاتے، کسی دیہات، گاؤں، قصبے یا علاقہ میں گجا کران کا فیض محدود ہو جاتا ہے، یا کسی کاروبار میں لگے تو اسی کے ساتھ منسلک ہو اگر دین سے ہٹ گئے، یا کسی سکول، کالج، یونیورسٹی میں لگے اور اس ماحول میں جا کر وہ رنگ ان پر آ گیا، انہوں نے اپنا رنگ ان پر نہ چڑھایا، ان کے رنگ میں خود رنگ گئے، اس ماحول سے متاثر ہو کر اپنی وضع قطع بدل دی، دیکھا یہ گیا ہے کہ جو کمزور تھے، لیکن اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راستے کھول دیئے، اس لیے مایوس نہیں ہونا چاہیے، ایسے طالب علم کو رسوا نہیں کرنا چاہیے، ان کو تنہائی میں مزید رغبت دینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کام لے گا، آپ اپنے عمل پر محنت زیادہ کریں، اور اللہ رب العزت سے مانگتے رہیں۔

84......طلباء کو کھل کر اظہار کا موقع دیں

اس کا مطلب یہ ہے طالب علم اگر کوئی سوال پوچھنا چاہے تو اُسے موقع دیں، چاہے وہ سوال درس سے متعلق یا خارجی ہو، ان کی بات سنیں اور تسلی بخش جواب دیں، کسی کتاب کی طرف رہنمائی کریں، سوال وجواب سے صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوتا ہے، ہم نے ان کی صلاحیتوں کو دبا دیا، جب انہیں موقع ہی نہیں دیا تو اب وہ کوئی بات ہی نہیں کر پاتے، اس سے نقصان ہوتا ہے ان کی صلاحیتوں منجمد ہو جاتی ہیں، اور جب استاذ موقع دے گا تو بات کرنے سے ان کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے، ہر انسان اپنی زبان کے نیچے

ہوتا ہے اور انسان کی شخصیت اس کی گفتگو سے معلوم ہوتی ہے، کون کس درجے کا انسان ہے، اس کی گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے، اس لیے طالب علم کو جب موقع دیں گے تو معلوم ہوگا ان کا مزاج وذوق کیا ہے، اور کس فن میں ان کی دلچسپی ہے، کس موضوع کے ساتھ ان کا لگاؤ ہے، تو اگر اس کے مطابق رہنمائی ہوگی تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ آگے بڑھے گا۔

85......طلباء کے سرپرستوں سے رابطے میں رہیں

جو شاگرد پڑھنے آرہا ہے اگر آپ ناظمِ تعلیمات ہیں تو سب کا رابطہ نمبر اپنے پاس محفوظ کریں، اس کا فائدہ یہ ہوگا اگر طالب علم کمزور ہے ان کے والد کو بتا دیا جائے کہ ان کی دلچسپی نہیں، چھٹیاں زیادہ کررہا ہے، یا فلاں چیز میں اُن کی مشغولیت ہے، تو سرپرستوں سے جب رابطہ ہوگا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طالب علم سبق میں دلچسپی لے گا، سرپرست استاذ سے محبت رکھے گا کہ یہ ہمارے بچے کے بارے میں بڑے فکر مند ہیں، کوئی بات ہوتی ہے تو ہمیں اطلاع دے دیتے ہیں، تو سرپرستوں کے دل میں استاذ اور ادارے کی نیک نامی بڑھے گی۔ سرپرستوں سے صرف شکایاتیں ہی نہ کریں، بلکہ بچے کی خوبیں بھی بیان کریں، تمہارے بیٹے میں یہ یہ خوبی ہے، تو والد خوش ہوتا ہے میرے بیٹے میں یہ صلاحتیں اور اوصاف ہیں تو وہ استاذ سے اور محبت کرتا ہے اور ہر ادارے کے ساتھ مخلص ہوکر اس کی ترقی کے لئے جدوجہد کرتا ہے، اور جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو پھر یہی لوگ دفاع کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور معاون اور مددگار بھی ہوتے ہیں۔

86......طلباء کے سرپرستوں کے ساتھ بحث ومباحثہ اور تکرار نہ کیا جائے

کبھی کوئی سرپرست آجاتا ہے، بچے میں آپ نے کچھ کمزوری بتلائی، وہ بجائے تسلیم کرنے کے اس کا دفاع کرنے لگے تو اس سے الجھنا نہیں چاہیے، اپنی بات اُن سے منوائیں نہیں، اپنا پیغام حسن اسلوبی کے ساتھ دھیمی لہجے میں نرمی کے ساتھ محبت کے انداز میں بیان کریں، باقی نتیجہ اللہ رب العزت پر چھوڑ دیں۔ تو الجھنا نہیں چاہیے، الجھنے سے انسان کی

عزت کم ہوتی ہے، ﴿وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ❶ جب بھی کوئی ناواقف آدمی بات کرے تو اُسے سلام کہو یعنی الجھو نہیں۔ عقل مند آدمی کو نصیحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بے وقوف عمل نہیں کرتا۔ تو پھر اپنا قیمتی وقت اس کے سامنے ضائع نہ کریں۔ آپ ایک دفعہ بتادیں اگر سمجھ آرہی ہے تو فبہا، ورنہ تکرار نہ کریں، دیکھیں بارش ہر جگہ برستی ہے لیکن ہر زمین اُسے قبول نہیں کرتی، بعض زمینیں اچھی ہوتی ہیں قبول کرتی ہیں، بہت جگہ اچھا غلہ اگتا ہے، اور بعض اس کی بنسبت ادنی ہوتی ہیں، تو ان پر غلہ اس سے کم آتا ہے، بعض چٹیل میدان ہوتے ہیں، بعض جگہیں پتھریلی اور سخت ہوتی ہیں، وہ بارش کو قبول نہیں کرتی، بارش تو سب جگہ ہوئی، لیکن اس کو جذب کر کے اس سے مفید چیز اگانے کی صلاحیت ہر ایک میں نہیں ہوتی، تو استاذ کے علم کی بارش سب پر ہوتی ہے، لیکن طلباء اور سرپرستوں کا اپنا اپنا ظرف ہوتا ہے، کون اس کو کتنا لے سکتا ہے کون کتنا نہیں لیتا۔ اس لیے استاذ محترم کبھی تکرار نہ کریں، بات بتائیں منوائیں نہیں، شریعت کا مزاج بھی "وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ" ❷ بات پہنچانا ہے۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ ❸۔

87......اپنے چھوٹے بچوں کو کلاس میں نہ لائیں

استاذ محترم اپنے بچوں کو روزانہ کلاس میں نہ لائیں، اس کا اچھا اثر نہیں ہوتا، توجہ بکھر جاتی ہے، اب استاذ سبق پڑھا رہا ہے ان کا بیٹا یا بھتیجا کھیل رہا ہے، وہ سبق میں اٹھ کہ دائیں بائیں جا رہا ہے مختلف حرکتیں کر رہا ہے، طلباء کی توجہ اس طرف ہوتی ہے، تو سبق سمجھ میں نہیں آتا، استاذ بھی اُن کی طرف پر متوجہ ہوتا ہے، کبھی بٹھا رہا ہے، کبھی لیٹا رہا ہے، کبھی اُسے کھانے پینے اور کبھی بول و براز کی حاجت ہے، تو سارے طلباء کی یکسوئی میں فرق آتا ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ نے یہ وقت ادارے کو دیا ہے، یہ وقت آپ اس وقت میں کسی اور کے ساتھ مشغول نہ ہوں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے آپ کی اولاد ہے ان سے آپ تعلق گھر

---

❶ الفرقان: ٦٣ ❷ یس: ١٧ ❸ المائدة: ٦٧

میں رکھیں، لیکن جب آپ ادارے میں آئیں تو پھر آپ کی اولاد یہ طلباء ہونے چاہیے، پھر آپ وقت انہیں دیں، یہ آپ کی اولاد کی طرح مستحق ہیں، آپ ان کو دن میں پونا گھنٹہ دے رہا ہیں، جب کی اولاد کے ساتھ مشغولیت پورا دن ہوتی ہے۔ اگر آپ پونے گھنٹہ میں بیس منٹ بچے کو دے دیں تو یہ آپ کی روحانی اولاد کی حق تلفی ہے۔ پھر اس وقت کا معاوضہ لینا بھی درست ہوگا یا نہیں؟ ان کی طرف متوجہ رہیں جنہوں نے اپنے قلوب کی بنجر زمینوں کو آپ کے علوم سے مستفید ہونے کے لئے پیش کیا ہے۔

88......کتاب کے شروع سے لے کر آخر تک سبق ایک نہج پر پڑھائیں

کتاب جب استاذ شروع کرے تو آخر تک صفحات گن لے کہ کل صفحات کتنے بنتے ہیں اور درمیان سے چھٹیاں بھی نکال دے، سہ ماہی، ششمائی کی چھٹیاں بھی اور دیگر سالانہ تعطیلات بھی نکال دیں، پھر جتنے ایام بنیں ان صفحات کو ان پر تقسیم کریں، اس کے مطابق برابر سرابر پڑھائیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا شروع سے آخر تک کتاب ایک نہج پر چلے گی، طالب علم ہر بحث سے مستفید ہوگا، ہمارے ہاں ابتدا میں بہت تفصیلی مباحث ہوتی ہیں خصوصاً حدیث کی کتابوں میں ایمان اور علم پر، اور آگے ترجمہ بھی نہیں ہو پاتا۔ اس لیے بہتر ہے استاذ محترم سب مباحث کو توجہ دیں۔ سب حضور کے ارشادات ہیں، صرف شروع کے بیس پچیس صفحوں میں تفصیل اور آگے عبارت خوانی؟ کیا صرف یہ شریعت ہے وہ شریعت نہیں، جب یہ بات نہیں، سب وحی ہے، تو سب کو برابر کا درجہ دینا چاہیے اگر اہم اور تفصیل طلب مباحث کو کچھ وقت زیادہ دے دیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن دوسری مباحث اور مضامین کو بالکل نظر انداز نہ کریں، اعتدال کو اپنائیں۔ ہمارے ہاں عمل کی کیوں کمی ہے؟ اس وجہ سے کہ عمل کی حدیثوں کی صرف عبارت خوانی ہوتی ہے، ترغیب و ترہیب کی جو روایات بخاری ثانی، ترمذی ثانی میں آتی ہیں، ان کی عموماً تشریح نہیں کی جاتی، اس لئے ان کی اہمیت اور فضیلت سامنے نہیں آتی، اس لیے استاذ اگر ان کو بھی ترجمہ کے ساتھ پڑھائے

اوران کی بھی مختصر تشریح کرتا رہے تو طالب علم میں عبادت کا ذوق پیدا ہوگا، اور وہ باعمل داعی بن کر معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنے گا۔

89......چار گھنٹے سے زیادہ نہ لیں

یعنی آپ کے اسباق چار سے زیادہ نہیں ہونے چاہیے، اور اگر ہوں بھی تو خامسہ سے نیچے نیچے، اگر اس سے اوپر کے اسباق ہوں تو تین سے چار ہوں۔ اس لیے کہ چار سے زیادہ جب آدمی اسباق لیتا ہے تو پھر اس کا حق نہیں ادا کر پاتا، اتنا مطالعہ نہیں کر پاتا، یہ بڑی کتابیں محنت طلب ہوتی ہیں، ہر کتاب آپ کا رات کو کم از کم آدھا پونہ گھنٹہ مطالعہ کے لیے لے گی، آپ نے چار گھنٹے بھی اگر لیے ہیں تو آپ کے ڈھائی سے تین گھنٹے مطالعہ میں صَرف ہوں گے، آج کل کے دور میں مصروفیات، مشغولیات، گھریلو کام کاج اور معاشی مجبوریاں زیادہ ہیں، بمشکل ڈھائی سے تین گھنٹے آپ کو مطالعہ کے ملیں گے، اس میں آپ کتاب کا حق نہیں ادا کر سکیں گے، متقدمین متأخرین شارحین کی مباحث کا مطالعہ مشکل ہوگا، البتہ ایک کتاب کو تین چار سال پڑھاتے ہوئے ہوگئے وہ کتاب آپ کے بالکل کنٹرول میں ہے، اس کے مضامین آپ کو ازبر ہیں، اس کے نوٹس آپ کے پاس محفوظ ہیں، پھر اس کے ساتھ ایک گھنٹہ بڑھا دیں تو بوجھ نہیں ہوگا، ورنہ ابتدا میں چار سے زیادہ لیں گے تو آپ کا بھی نقصان ہوگا اور طلباء کا بھی۔

90......مدرسے کے مالی معاملات میں مداخلت نہ کریں

آپ مدرس ہیں صرف اپنا سبق پڑھیں، آپ اپنی ذمہ داری ادا کریں، دوسروں کی ذمہ داریوں میں دخل اندازی نہ کریں، آپ کو انہوں نے نہ جج بنایا نہ وکیل، انہوں نے آپ کو استاذ کے طور پر رکھا ہے، آپ کی جو ذمہ داری ہے آپ آئیں اُسے ادا کریں۔ اگر آپ اس امور میں دلچسپی لیں کہ مالی معاملات میں کتنا چندہ آرہا ہے، زکوۃ کتنی اور عطیات کتنے ہیں، کس مصرف میں لگ رہے ہیں، کہاں خرچ ہو رہے اور مہتمم صاحب کی مشغولیت کن

کن کاموں میں ہے، اوران کے اکاؤنٹ کتنے ہیں، بینک بیلنس کتنا ہے، پراپٹی کتنی ہے؟ اگر آپ اس میں مشغول ہوں گے تو آپ اپنی عزت گھٹا دیں گے، خدانخواستہ اگران کا عمل ٹھیک نہیں تو اللہ تعالی ان سے پوچھے گا، ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔ اگران کا عمل شریعت کے خلاف ہے تو اللہ رب العزت نے ہمیں ان پر وکیل اور نگہبان نہیں بنایا، کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں﴿عَلِيمٌ بِالذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ❶ اس سے واقف ہے، اس سے رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں۔ اپنے قیمتی وقت کوتبصروں میں ضائع نہ کریں، غیبت کے گناہ سے بچیں، کوئی نہ کوئی بات منتظمین تک پہنچ جاتی ہے، تو پھر اس سے انسان کی رسوائی ہوتی ہے، آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہوجاتے ہیں، تدریس میں ترقی مشکل ہوجاتی ہے، قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی ہوجاتی ہیں، مخالفین بڑھ جاتے ہیں، پھر جو چشم پوشی تھی وہ باقی نہیں رہتی۔ آپ کی آمد کس وقت پر ہے، کس وقت گئے، کیسا پڑھایا، طلباء مطمئن ہیں یانہیں۔ تو مختلف باتیں کھلیں گی جو آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ مالی معاملات کے شعبے سے اپنے آپ کو وابستہ ہی نہ رکھیں، اگر آپ کو یہ ناظم مالیات شعبہ دیا جارہا ہے تو آپ معذرت کریں، نہ اس شعبے کے لوگوں پر تنقید کریں اور نہ خود اس سے وابستہ ہوں، کیونکہ یہ بڑا احتیاط والا کام ہے، خدانخواستہ اگر ایک پائی بھی بے جا صرف ہوجاتی ہے تو عند اللہ پکڑ ہے۔ اس لیے مدرس کی حیثیت سے ادارے میں رہیں، کوشش کریں صرف تدریس کریں، باقی کسی شعبے سے اپنے آپ کو منسلک نہ رکھیں، دیگر شعبوں میں لگ جائیں گے تو تدریس کا وقت آپ کو نہیں ملے گا۔ عموماً ہر مدرسے میں ''ناظم دارالاقامہ'' کا شعبہ ہروقت خالی رہتا ہے، اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ وجہ یہ ہوتی ہے ہر سال کے بعد عموماً تبدیلی ہوتی رہتی ہے، طلباء کے ساتھ کون روزانہ بحث وتکرار کرے؟ اس لیے دارالاقامہ کی نظامت، کھانے پلانے کی ذمہ داری، بچوں کو سلانے جگانے کی ذمہ داری میں سارا وقت صرف ہوجاتا ہے تو استعداد نہیں بن پاتی، جیسے انسان فارغ ہوتا ہے یہ بننے کا زمانہ ہوتا ہے، شوق اور جذبہ ہوتا ہے، فراغت کے

❶ آل عمران: ١١٩

بعد انسان کے دس سال اس کے بننے کا دور ہے، اور اس کے بعد پھر انسان کا جو سابقہ مطالعہ ہوتا ہے وہ اس پر چلتا ہے، کیونکہ دس سال کے بعد عموماً عمر چالیس سال تک پہنچ جاتی ہے، چالیس سال کے بعد بیماریاں، امراض، عوارض ہوتے ہیں، اگر دس پندرہ سال انتظامی کاموں میں لگ گئے تو عموماً فنی کتابوں کی تدریس نہیں ملتی، اور اگر مل بھی جائے، تو اب محنت کا وہ شوق اور جذبہ نہیں رہتا۔ بہر حال ابتدائی دس سال میں آپ نے خوب محنت کر کے تدریس کی تو ایسے پختہ عالم بن جائیں گے پھر فن کی کوئی کتاب بھی آپ کے لئے مشکل نہیں ہوگی ۔ بہر حال مدرس رہیں مالی معاملات میں اپنے آپ کو نہ الجھائیں، تو آپ علمی ترقی کریں گے ورنہ وہ آپ کو اپنی مقصد کے لیے استعمال کریں گے، کبھی ایک شعبہ میں، کبھی دوسرے شعبہ میں، آپ اپنی بھر پور کوشش تدریس میں کریں، چاہے معاوضہ کم ہو، اگر اسباق آپ کی دلچسپی اور شوق کے مطابق ہیں تو آپ اس کو ترجیح دیں، کیونکہ آپ کی علمی استعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، دوسری طرف اگر آپ کو شعبے دیے جا رہے ہیں تو آپ کی صلاحیت نہیں بڑھے گی، معاوضہ ملا اور آپ نے کھایا ختم ہوگیا، دس سال پہلے جہاں تھے علمی اعتبار سے دس سال بعد بھی وہی ہیں، نہ حالات بدلے اور نہ علم میں ترقی ہوئی۔

91......مدرسے کے تمام اساتذہ سے یکساں تعلق رکھیں

یعنی اگر کوئی استاذ کسی جگہ پڑھا رہا ہے تو اس کے لیے بہتر ہے کہ اس مدرسے میں جتنے بھی اساتذہ کرام ہیں سب کے ساتھ مساوات کا تعلق رکھے اور سب کے ساتھ گُل مل کے رہیں، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بعض کے ساتھ تعلق ہوتا ہے بعض کے ساتھ نہیں، تو اس سے غلط فہمیاں سامنے آتی ہیں، اسی طرح تعلقات میں کسی خاص چیز کی وابستگی کو نہ دیکھا جائے کہ اگر وہ ان کے ساتھ کسی خاص موقف میں شریک ہو تو تعلق رکھا جائے ورنہ نہیں، تعلق کی بنیاد کوئی خاص تنظیم یا جماعت نہ ہو۔ مدرسہ کے جتنے بھی اساتذہ ہیں کامیاب استاذ وہی ہے جو تمام کے ساتھ تعلق رکھے، استفادے اور افادے میں کوئی چیز اس کے لئے مانع نہ ہو۔

92......اپنے آپ کو کسی تنظیم سے باقاعدہ وابستہ نہ کریں

ایک اچھے استاذ کے لیے ضروری ہے کہ اس کا تعلق صرف تدریس اور مطالعہ کے ساتھ ہو، اور علم وتحقیق کے ساتھ ہو، اب اگر وہ کسی تنظیم سے باقاعدہ وابستہ ہے، اور پھر اُسے بہت سا وقت اسے دینا پڑتا ہے، تنظیمی مصروفیات، جلسوں پروگرامات اور میٹنگ میں اُسے شامل ہونا پڑتا ہے، تو اس سے اس کی تدریس پر اثر پڑے گا۔ وہ اس کے لیے کما حقہ مطالعہ نہیں کر پائے گا، سابقہ مطالعہ پر چلتا رہے گا، جس سے تدریس، مطالعہ اور تحقیق میں کمی آئے گی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جماعتیں جو کام کر رہی ہیں وہ درست نہیں، ہر جماعت جو کام کر رہی ہے وہ تمام اکابر کی دینی جماعتیں برحق ہیں، اور سب دین کی نشر واشاعت کے لئے کام کر رہے ہیں، جو جس شعبہ سے وابستہ ہیں اُن کے لیے دعا کرنی چاہیے، ان پر نقطہ چینی نہیں کرنی چاہیے، ہم ایک وقت میں سارے شعبوں میں کام نہیں کر سکتے، اخلاص وتقوی، علم وللّٰہیت، تحقیق ومطالعہ اور وسعتِ ظرفی کا فقدان ہے، اس وجہ سے بہتر ہے کہ نیوٹل ہو کر سب سے وابستہ رہیں۔ اپنے اوپر کسی جماعت کا لیبل نہ لگائیں، تمام کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو، سب کے لیے دعا گو رہیں اور بوقتِ ضرورت ہر ایک کے پروگراموں میں شرکت کریں، لیکن زیادہ وابستگی اس کی علم اور تحقیق کے ساتھ ہو تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اور اگر کسی جماعت کا لیبل لگ جاتا ہے تو پھر انسان محدود ہو جاتا ہے، پھر اسی جماعت کے لوگ تو اس سے استفادہ کرتے ہیں اور دیگر اس سے کتراتے ہیں، اور پھر تشہیر ہو جاتی ہے، پھر اس سے استفادہ کرنے والے چاہے عوام الناس ہوں یا طلباء محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ تو انسان اونچی سوچ لے کے اڑے اور اپنی سوچ کو وہ سعت دے تا کہ اس سے استفادہ کرنے والے لوگ زیادہ ہوں، سب کے ساتھ شریکِ کار ہو، یہ ہمارے اکابر کا طریقہ تھا کہ وہ کسی خاص شعبہ کو ہی مکمل دین نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ہر شعبے کو دین کا ''جزء'' سمجھتے تھے، اور اپنی زیادہ مصروفیت، توجہات اس میں صرف کرتے تھے جس کی ضرورت زیادہ ہوتی تھی۔

93......تبلیغی جماعت میں اپنا وقت ضرور لگائیں

جہاں تک ممکن ہو سکے کم از کم ایک چلہ ضرور لگا لینا چاہیے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے وہ عمل میں آ جاتا ہے، چونکہ وہاں عموماً بیانات کا موقع زیادہ ملتا ہے تو گبراہٹ، عدمِ اعتمادی اور زبان کی لکنت اور روانی کی کمی دور ہو جاتی ہے، اس قسم کی کیفیات ختم ہو جاتی ہیں، پھر انسان شرح صدر کے ساتھ بات کر سکتا ہے۔ مختلف علاقوں میں جب جاتا ہے لوگوں کے رہن سہن، مزاج مزاق، اور ان میں دینی اعتبار سے کمی کا پتہ چلتا ہے، مختلف شہروں میں جا کر پتہ چلتا ہے دین کی کتنی کمی ہے، لوگ دین سے کتنا دور ہیں، ہجرت کرنے سے کئی نئی چیزیں سامنے آتی ہیں، اور سیاحت وسفر کرنے سے بھی کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ مختلف مزاج، محاورات، موسم اور مختلف لوگوں کے نظریات سامنے آتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے دیتا ہے، اور بہت سے لوگوں کے ہدایت کا ذریعہ بن جاتا ہے، الحمدللہ تبلیغ اور مدارس کی محنت کے ذریعہ سے بہت سے لوگ دین پر آئے ہیں، تو یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، دین کے دونوں شعبے ہیں، ایک ہے دین کی نشر واشاعت، اور ایک ہے دین کی حفاظت، دین کی حفاظت جہاد کے ذریعے ہے، اور دین کی نشر واشاعت مدارس اور تبلیغ کے ذریعے سے ہے، اور یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں، (جہاد، تبلیغ، مدارس) اگر نشر واشاعت تو ہو رہی ہو، لیکن حفاظت نہ ہو تو دشمن حملہ کر کے ختم کر سکتا ہے اور اگر سب حفاظت میں لگ جائیں اور نشر واشاعت کو ترک کر دیں، تو پھر نسل نو دین سے وابستہ نہیں رہے گی، مستقبل میں معاشرے کو دین سکھانے والے لوگ نہیں ملیں گے، جس سے بگاڑ پیدا ہوگا۔ اس لیے تینوں شعبوں کی افادیت ہے۔ تدریس کے ذریعے طلباء اور اہلِ علم تیار ہو رہے ہیں، تبلیغ کے ذریعے عوام الناس میں محنت ہو رہی ہے، اور جہاد کے ذریعے سے دشمن کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ اور یہ تین شعبے اسلام میں بڑے ضروری ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا

رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ ❶

ترجمہ: ایک جماعت دشمن کے مقابلے میں ہو اور ایک جماعت دین میں خوب فقاہت حاصل کرے اور جب یہ لوٹ کر آئیں تو اپنے گھر والوں کو ڈرائیں۔

معلوم ہوا ایک جماعت جہاد کرے اور دوسری دین کی خوب سمجھ حاصل کرے، قرآنِ کریم یہ نہیں کہتا صرف عالم بنو، بلکہ دین میں تفقہ حاصل کرو، اور تفقہ باب تفعل سے ہے، اور تفعل کا خاصہ تکلف ہے، یعنی با تکلف محنت کر کے فقیہ بنو، قرآنِ مجید یہ نہیں کہتا صرف "لتعلموا" دین سیکھو، بلکہ قرآنِ کریم کہتا ہے فقیہ بنو، دین کے ماہر بنو، یہاں مجرد سے "لیفقھوا" بھی نہیں فرمایا کہ دین سمجھو، بلکہ مزید میں جا کر کہا "لِيَتَفَقَّهُوْا" دین میں خوب گہرائی حاصل کرو، حدیث میں بھی یہی فرمایا گیا ہے:

"من یرد اللّٰہ به خیرا یفقه فی الدین" ❷

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

تو معلوم ہوا فقاہت بہت اونچے درجے کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دین میں فقاہت حاصل کرو اور پھر جب لوٹو اپنی قوم کو ڈراؤ، اس سے معلوم ہوا کہ عالم بننے کے بعد بہتر ہے انسان اپنی برادری میں، اپنے علاقے میں، اپنے آبائی وطن میں دین کا کام کرے "وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ" اپنی قوم کو ڈرائے، اپنی قوم زیادہ اس کی مستحق ہے کہ انہوں نے آپ کو تعلیم دی اور پڑھایا اور وہاں دین پھیلانے کی ضرورت زیادہ ہے، بنسبت شہروں کے، شہروں میں تو بہت سے علماء موجود ہوتے ہیں، اور وہ دین کی نشر واشاعت میں لگے ہوتے ہیں، لیکن دیہات کے ماحول میں ضرورت زیادہ ہوتی ہے، وہاں دین سے دوری ہوتی ہے اور جہالت کا ماحول ہوتا ہے، اُن کا عموماً سارا وقت زمینوں اور جانوروں میں گذرتا ہے۔

---

❶ التوبة: ۱۲۲

❷ صحیح البخاری، رقم الحدیث: 71، صحیح مسلم، رقم الحدیث: 1037

94......سبق کو دلچسپ اور آسان بنا کر پیش کریں

بعض اساتذہ آتے ہی کہہ دیتے ہیں سبق نہایت مشکل ہے سمجھ میں نہیں آئے گا اور بڑا پیچیدہ کر کے اس کو پیش کرتے ہیں، تو طلباء سمجھتے ہیں کہ واقعی مشکل ہے پھر وہ توجہ نہیں کرتے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آئے گا، سبق کو اتنا دلچسپ کر کے اور سہل کر کے پیش کریں کہ ہر طالب علم اُسے سمجھ سکے، بتائیں آج نہایت آسان سبق ہے، مثلاً سبق میں تین باتیں بیان ہوں گی، پہلی اور دوسری اور تیسری بات اور پھر عبارت میں اس کی تطبیق کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ جب اس ترتیب سے پڑھایا جائے گا تو طلباء کو فائدہ زیادہ ہوگا۔

95......سبق کو مرحلہ وار پڑھائیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بعد والے سبق کا پہلے والے سبق سے تعلق بتائیں، ربط بتائیں کہ کل یہ بات چل رہی تھی اور آج کے سبق میں یہ بحث ہے۔ اس بحث کا پہلی بحث سے تعلق ہے، کیونکہ ہر بعد والی بحث پہلے والی بحث سے عموماً مربوط ہوتی ہے۔ پچھلے سبق کا خلاصہ نہ ہو تو اگلا سبق عموماً سمجھ نہیں آتا، درسی کتابوں میں ہر ما بعد کا ماقبل سے تعلق ہوتا ہے، اس لیے پچھلے سبق کا پہلے خلاصہ اور ربط بتا کر پھر اگلا سبق پڑھائیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بعض طلباء پچھلے دن غیر حاضر تھے تو وہ بھی سن لیں گے، جو طلباء گزشتہ دن سبق نہیں سمجھے وہ بھی سمجھ جائیں گے اور جو سمجھے تھے ان کا تکرار ہو جائے گا۔ اور اگر انہوں نے غلط سمجھا تھا تو ان کی تصحیح ہو جائے گی۔ اس لیے استاذ ابتدائی پانچ منٹ میں پچھلے سبق کا خلاصہ بتائے کہ سبق میں یہ بات بیان ہوئی تھی آنے والے سبق میں یہ بات بیان ہو رہی ہے، اس طرح جب مرحلہ وار مربوط سبق چلے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا فائدہ زیادہ ہوگا۔

96......اپنے سبق کو ریکارڈ کر کے مہینے میں ایک دفعہ ضرور خود بھی سنیں

سبق ہو یا بیان ہو، انسان جتنی اپنی اصلاح خود کر سکتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اپنی غلطیوں کے بارے میں جتنا انسان خود متنبہ ہو سکتا ہے کوئی دوسرا اس کو اتنا نہیں کر سکتا، اور بسا اوقات اگر کوئی دوسرا بتائے تو ایک فطرتی بات ہے آدمی سمجھتا ہے یہ مجھ سے حسد کر رہا

ہے، میری خامیاں گنوار ہا ہے، اسے شاید مجھ سے محبت نہیں، بجائے اس کے کہ دوسرا ہمیں ہماری کمی کوتاہیاں بتائے ہم خود اپنی کمیوں کو دیکھ لیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی بند کمرے میں آپ اپنا سبق خود سنیں، آپ کو اندازہ ہوگا کہ بیان اور سبق کے دوران کہاں اتار چڑھاؤ میں کمی ہے، کہاں الفاظ کے چناؤ میں کمی ہے، کہاں مہذب الفاظ نہیں، کہاں گفتگو کے اندر سختی آئی ہے، کہاں آواز زیادہ تیز ہے، کہاں بات سمجھ نہیں آ رہی، کہاں اعراب کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے، کہاں عبارت کا ترجمہ درست نہیں ہوا، کہاں قرآن کی آیات اور حدیث کی عبارت میں غلطی ہوئی، تو انسان جب خود سن لیتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ میرے بیان اور تدریس میں کیا کیا کمی ہے، اور اس کا تدارک کیسے ہوسکتا ہے۔

97......دوران درس اپنی آواز میں اعتدال رکھیں

درس ہو یا بیان، ایک اچھے مقرر اور استاذ کی صفت یہ ہے کہ آواز میں اعتدال ہو، اب بعض اساتذہ با تکلف پڑھا رہے ہوتے ہیں، جو طلباء پیچھے بیٹھے ان کو آواز نہیں پہنچتی، اور بعض اتنا زور لگا کے پڑھاتے ہیں کہ ساتھ دو تین کلاسیں بھی متاثر ہوتی ہیں، تو اعتدال نہیں ہے۔ اعتدال یہ ہے کہ آواز اتنی ہو کہ تمام طلباء تک پہنچ سکے، اس طرح بعض حضرات شروع میں آدھا گھنٹہ بہت ہلکی آواز میں اور آخری دس منٹ میں بہت تیز آواز میں پڑھاتے ہیں، یہ بھی اعتدال نہیں ہے، شروع سے آخر تک ایک ہی تسلسل ہو اور ایک ہی انداز کے مطابق گفتگو ہو، اتنی تیز بھی نہ ہو کہ سننے میں انسان کو تکلیف محسوس ہو، اتنی آہستہ بھی نہ ہو کہ بالکل کان لگائے تب بھی بات سمجھ میں نہ آئے، بہر حال "خير الأمور أوسطها"۔

98......غصے کی حالت میں درس نہ دیں

اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ طلباء کو سبق صحیح سمجھا نہیں پاتے، چونکہ غصے میں انسان اعتدال پر نہیں رہتا، عموماً اس وقت انسان کی عقل کام نہیں کرتی، دو وقت میں انسان اعتدال پر نہیں رہتا، نمبر ایک غصے میں اور نمبر دو شہوت میں۔ اگر کسی بات پر تنبیہ کرنی ہے تو سبق کے آخر میں کریں یا سبق کے آغاز میں، درمیان میں نہ کریں تاکہ سبق کا ربط اور تسلسل نہ ٹوٹے۔

99......سبق میں پہلے اجمال اور پھر تفصیل بیان کریں

پہلے اختصار اور بعد میں تشریح کریں، پہلے سبق کا خلاصہ آجائے، آج کے سبق کا یہ خلاصہ ہے، پھر اس کی تشریح و تفصیل ہو۔ اجمال کے بعد تفصیل سے یہ ہوگا کہ ہر ایک طالب علم سمجھ جائے گا کہ آج سبق میں کیا بیان ہو رہا ہے۔ آج کل ویسے بھی خلاصوں کا دور ہے، اور خلاصوں کو اہمیت بھی زیادہ دی جاتی ہے، بالفرض اگر خلاصہ سمجھ میں آئے اور عبارت میں تطبیق نہ سمجھ آئے تب بھی طالب علم مضمون سمجھ جاتا ہے اور امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اصل چیز فن سمجھانا ہے۔

100......درس کے دوران موضوع سے نہ ہٹیں

آخری اہم بات یہ ہے کہ سبق کے دوران موضوع سے ہٹ کر کوئی بات نہ کریں اِلَّا یہ کہ اس میں کوئی علمی فائدہ ہو، آج کل ہمارے یہاں یہ کہتے ہیں بات سے بات نکل گئی اور بہت دور چلے جاتے ہیں، اور وہ علمی گفتگو نہیں ہوتی بلکہ ذاتی اور نجی باتیں اور اپنے اور دوستوں کے سفر کے واقعات اور لطائف ہوتے ہیں، جس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر ایسی گفتگو جو علمی اور عملی لحاظ سے مفید نہ ہو اُس سے گریز کیا جائے۔ البتہ سبق پڑھانے کے بعد اگر سبق میں کوئی مفید بحث رہ گئی ہے تو اس کو الگ سے بیان کر دیں، ایک ہے کتاب حل کرنا اور ایک ہے فن پڑھانا۔ کتاب حل کرنے کے بعد اگر فن سے متعلق کوئی علمی اور تحقیقی بات رہ گئی تو اس کو سبق کے بعد بتائیں کہ سبق مکمل ہو چکا ہے، لیکن یہ ایک علمی فائدہ اور نکتہ بیان کر رہا ہوں سمجھ آئے تو فبہا اور نہ آئے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ سبق سے متعلق کوئی خارجی اور علمی نکتہ ہے تو اس کو الگ سے بیان کریں تاکہ بات طویل نہ ہو، سبق جتنا طویل ہوگا اتنا سمجھنا مشکل ہوگا، جتنا مختصر ہوگا اتنا پراثر ہوگا اور سمجھنا آسان ہوگا۔ اس لیے خارجی باتوں کو الگ سے بیان کریں، لیکن گفتگو علمی ہی کریں۔ استاذ کی گفتگو جتنی علمی ہوگی تو طلباء کا مزاج بھی ویسے ہی بنے گا۔ اور ایک کامیاب استاذ وہ ہے جو بحث پڑھائے تو اس کے بعد تفصیل کے لئے مطولات کی نشان دہی بھی کرے۔ اگر اس موضوع پر کوئی کتاب عربی

اردو میں لکھی گئی ہے تو اُس کی نشان دہی بھی کریں، آپ استاذ ہیں طلباء میں بعض بڑے سے باصلاحیت ہوتے ہیں، وہ ان کتابوں کو نوٹ کر کے آنے والے وقت میں اس کا مطالعہ کریں گے۔آپ مثلاً فقہ پڑھا رہے ہیں تو تفصیلی مباحث کے لیے مراجع وماخذ بھی بتلائیں کہ آج کے سبق میں یہ بات ہوئی اور اگر آپ نے تفصیلی بحث پڑھنی ہے تو فلاں فلاں شرح دیکھیں، اگر آپ ''کنز الدقائق '' پڑھا رہے ہیں تو بتلائیں کہ جزئیات کے لئے ''البحر الرائق '' دیکھیں اور اگر آپ نے نقلی دلائل دیکھنے تو آپ'' تبیین الحقائق'' دیکھیں۔آپ نے کتاب کو حل کرنا ہے تو'' رمز الحقائق '' دیکھیں، البتہ اس سے فتوی نہیں دیا جاتا۔اس طرح اگر آپ طویل کتابوں کا بھی ساتھ ساتھ حوالہ دیں گے تو طلباء میں ذوق بڑھے گا۔استاذ کا علمی مقام بھی ان کے سامنے آئے گا، ذی استعداد طلباء کی اصل مراجع کی طرف رہنمائی بھی ہوگی، ان شاءاللہ تعالیٰ اگر یہ سو باتیں ایک استاذ میں آجائیں تو امید ہے کہ وہ ایک اچھا مدرس ہوگا اور مستقبل میں اللہ تعالی اس کو نیک نامی اور شہرت عطا کرے گا، پھر بھی اگر اس کے بارے میں کوئی تنقیدی بات سامنے آجائے تو وہ پریشان نہ ہو، تنقید سے بہتری آتی ہے، اگر کوئی تنقید کرے کہ آپ کے سبق میں یہ خامی ہے، آپ اس سے نہ الجھیں، واقعی اگر خامی ہے تو اس کو اپنے آپ سے دور کریں، اور اگر خامی نہیں ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کریں۔کسی تنقید سے پریشان نہ ہوں، صرف اپنے مداحوں کی بات نہیں سنی چاہیے، معترضین کو بھی سننا چاہیے، کیونکہ معترضین کی جو نگاہ ہوتی ہے وہ معمولی معمولی خامیوں پر بھی ہوتی ہے، اور جب وہ خامیاں بھی سامنے آئیں گی اور دور ہو جائیں گی تو انسان مستقبل میں ایسا بن کے سامنے آئے گا کہ پھر اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکے گا۔اس لیے معترضین کی گفتگو بھی سنیں، آپ کے خلاف کسی کی کوئی تحریر ہے اس کو بھی پڑھیں، آپ کے خلاف کسی کا کوئی تبصرہ ہے اُسے بھی سنیں، البتہ ہر تبصرے کا جواب نہ دیں، ہر تحریر کا جواب نہ لکھیں، ہر ایک اس لائق نہیں ہوتا کہ اُسے جواب دیا جائے، اپنی اصلاح کر لی جائے جو کمی کوتاہی اِسے دور کیا جائے۔ایک یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مدرسہ کے کسی استاذ

کو نیچے کر کے نہ دکھائیں، بسا اوقات استاذ اپنی کتاب، اور اپنے طرزِ تدریس کا تذکرہ کر کے دوسروں پر تنقید کرتے ہیں، اور ان کے انداز واسلوب کو نشانہ بناتے ہیں، اس سے گریز کیا جائے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو عزت دی ہے وہ بھی ان کے استاذ ہیں، آپ ان کی عزت بھی طلباء کے دلوں میں بٹھائیں۔ دوسرے اساتذہ کرام کا تذکرہ جب آپ ادب واحترام سے کریں گے تو آپ کی بھی عزت بڑھے گی۔ دیکھیں کسی کو نیچا کرنے کے لیے انسان کو خود نیچا ہونا پڑتا ہے، اور کسی کو اونچا کرنے سے انسان خود اونچا ہو جاتا ہے۔ اپنا وقت اس میں نہ ضائع کریں کہ فلاں ایسا، فلاں ایسا، اس میں یہ خامی ہے، یہ نقص ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے، ہم اپنے عمل کے مکلّف ہیں۔ اگر ہمارے اندر یہ سو اوصاف ہوں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے ہماری تدریس سے طلباء کو فائدہ ہوگا، ان میں نکھار پیدا ہوگا اور وہ باصلاحیت بن کر ملک وملت کے پاسبان، دین کے ترجمان اور آپ کے تعارف کا ذریعہ بنیں گے۔ اللہ رب العزت مجھ سمیت تمام اساتذہ کرام کو اِن سو اوصاف کے ساتھ متصف ہو کر تدریس کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



مؤلف کی کاوشوں پر ایک طائرانہ نظر



ادارۃ المعارف کراچی

مولانا محمد ظہور صاحب